اس شمارے میں

حرفِ اوّل	حافظ عاطف وحید	2
مطالعہ قرآن حکیم		
سورۃ البقرۃ (آیات ۸ تا ۲۰)	ڈاکٹر اسرار احمد	3
فی ضوء القرآن		
حیاتِ دنیا کے حوادث اور مؤمنانہ طرزِ عمل	انجینئر نوید احمد	15
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	33
حکمت نبویؐ		
حکیمانہ نصائح	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	44
توضیح و تنقیح		
چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟ (۴)	حافظ محمد زبیر	49
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	63

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 10.3.06
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

حافظ عاکف سعید

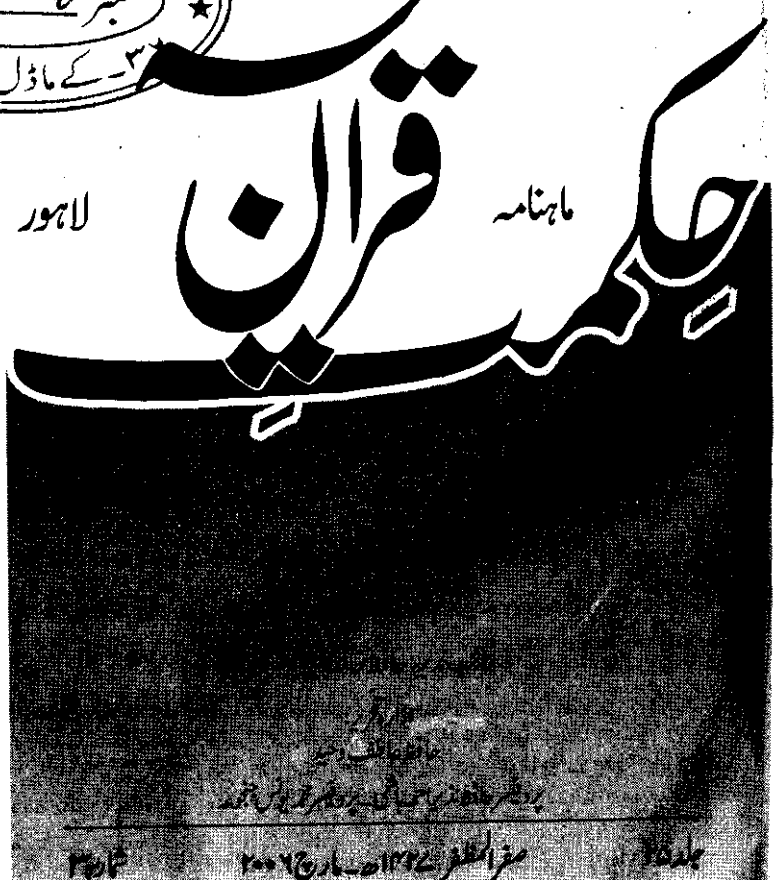

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی - پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵ | صفر المظفر ۱۴۲۷ھ - مارچ ۲۰۰۶ء | شمارہ ۳

مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ - فون: ۰۱-۵۸۶۹۵

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کی عظمت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں سے ہر پہلو کی اپنی اپنی خصوصیات اور امتیازات ہیں۔ بعض پہلو وہ ہیں جن کا ثابت ہونا تاریخ کا حصہ بن چکا اور بعض ایسے ہیں جن کا ثبوت تا قیام قیامت پیش ہوتا رہے گا۔

مقدم الذکر پہلوؤں میں سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے کہ تمام جن و بشر اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اس بات کو قرآن نے دعوے کے طور پر بھی مخاطبین کے سامنے پیش کیا ہے کہ اگر تمہیں شک ہے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے تو اس کا فیصلہ بڑی آسانی کے ساتھ یوں ہوسکتا ہے کہ تم بھی اس کی مانند کوئی کتاب پیش کر دو۔ چلو کتاب کا پیش کرنا مشکل نظر آتا ہے تو دس سورتیں ہی پیش کر کے دکھا دو۔ جب لوگ ان دونوں مطالبوں میں سے کوئی بھی پورا کرنے کی ہمت نہ کر سکے تو آخری بات یہ کہہ دی گئی کہ چلو ایک سورہ ہی اس کی مانند پیش کر کے دکھا دو۔ قرآن کا یہ دعویٰ جہاں اس کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے وہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اثبات کی بھی روشن دلیل ہے۔ عظمت قرآنی کا یہ پہلو اتنا واضح اور قوی ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قرآن کے کٹر سے کٹر مخالف بھی کوئی ایسی چیز نہ پیش کر سکے جس سے قرآن کے اس منفرد دعوے کی تردید ہو سکے۔

قرآن کی عظمت کے مؤخر الذکر پہلوؤں میں سے سب سے نمایاں اور دل آویز پہلو وہ ہے جس کی طرف قرآن ہی میں بعض مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس قرآن کو آج اس کے مخالفین ایک من گھڑت شے سمجھتے ہیں اور جس کی بیان کردہ تمثیلات کا تمسخر اڑاتے ہیں ایک دن آئے گا کہ جب اس پر ایمان لانے والے جنت میں بیٹھے ہوئے جنت کی ہر ہر نعمت پر شاداں و فرحاں ہوں گے اور کہیں گے کہ الحمد للہ ہمیں قرآن کی بدولت اللہ نے ان ساری نعمتوں کے مزوں سے پہلے ہی آشنا کر دیا تھا اور آج ہم اس کی اصل حقیقت سے متمتع ہو رہے ہیں۔ جبکہ اس قرآن کا انکار کرنے والے اور اس کے مطالبات کو پسِ پشت ڈالنے والے اس انجام سے دوچار ہوں گے جس کا تعارف قرآن نے ان کیفیات کے ذریعے کروا دیا ہے جن کا ہلکا سا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے ازروئے الفاظِ قرآنی:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۝۝

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۸ تا ۲۰

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ
مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝١٢ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ
اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٤ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝١٥ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝١٦ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ
نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ
ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝١٧ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝١٨ اَوْ

كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

آیت ۸ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخر پر بھی' مگر وہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں۔''

یہاں ایک بات سمجھ لیجیے! اکثر و بیشتر مفسرین نے اس تیسری قسم (category) کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے' اگرچہ یہاں لفظِ منافق یا لفظِ نفاق نہیں آیا۔ لیکن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس کے بارے میں ایک رائے ظاہر کی ہے جو بڑی قیمتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں ایک کردار کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے' غور کرنے والے غور کر لیں' دیکھ لیں کہ وہ کس پر چسپاں ہو رہا ہے۔ اور جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں تو اِن میں شخصیات کی کردار نگاری کا یہ جو نقشہ کھینچا جا رہا ہے یہ بالفعل دو طبقات کے اوپر راہبت آ رہا تھا۔ ایک طبقہ علماءِ یہود کا تھا۔ وہ بھی کہتے تھے کہ ہم بھی اللہ کو مانتے ہیں' آخرت کو بھی مانتے ہیں (اسی لیے یہاں رسالت کا ذکر نہیں ہے)۔ وہ کہتے تھے کہ اگر سوا لاکھ نبی آئے ہیں تو ان سوا لاکھ کو تو ہم مانتے ہیں' بس ایک محمد (ﷺ) کو ہم نے نہیں مانا اور ایک عیسٰی (علیہ السلام) کو نہیں مانا' تو ہمیں بھی تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہاں جس انداز میں تذکرہ ہو رہا ہے اس سے ان کا کردار بھی جھلک رہا ہے اور روئے سخن بھی اُن کی طرف جا رہا ہے۔ مجھے یاد ہے دسویں جماعت کے زمانے میں دہلی میں مَیں نے جوتوں کی ایک دکان پر دیکھا تھا کہ ایک بہت بڑا جوتا لٹکایا ہوا تھا اور ساتھ لکھا تھا: Free to Whom it Fits. یعنی جس کے پاؤں میں یہ ٹھیک ٹھیک آ جائے وہ اِسے مفت لے جائے! تو یہاں بھی

ایک کردار کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اب یہ کردار جس کے اوپر بھی فٹ بیٹھ جائے وہ اس کا مصداق شمار ہوگا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' زیادہ تر مفسرین کی رائے تو یہی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے۔ لیکن یہ کردار بعینہٖ یہود کے علماء پر بھی منطبق ہو رہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ مدینہ منورہ میں نفاق کا پودا' بلکہ صحیح تر الفاظ میں نفاق کا جھاڑ جھنکاڑ جو پروان چڑھا ہے وہ یہودی علماء کے زیر اثر پروان چڑھا ہے۔ جیسے جنگل کے اندر بڑے بڑے درخت بھی ہوتے ہیں اور ان کے نیچے جھاڑیاں بھی ہوتی ہیں۔ تو یہ نفاق کا جھاڑ جھنکاڑ دراصل یہودی علماء کا جو بہت بڑا پودا تھا اُس کے سائے میں پروان چڑھا ہے اور ان دونوں میں معنوی ربط بھی موجود ہے۔

آیت ۹ ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں اللہ کو اور اہل ایمان کو۔'' يُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ ہے۔ اس باب کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک کشمکش اور کشاکش موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نے اس کا ترجمہ کیا: ''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں''۔

﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور نہیں دھوکہ دے رہے مگر صرف اپنے آپ کو۔'' یہ بات یقینی ہے کہ اپنے آپ کو تو دھوکہ دے رہے ہیں' لیکن یہ اللہ اور اُس کے رسول کو اور اہل ایمان کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۴۲ میں منافقین کے بارے میں یہی بات بڑے واضح انداز میں بایں الفاظ آئی ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾

''یقیناً منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں' حالانکہ اللہ ہی انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے''۔

﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔'' یہ بات بہت اچھی طرح نوٹ کر لیجیے کہ منافقین کی بھی اکثریت وہ تھی جنہیں اپنے نفاق کا شعور نہیں تھا۔ وہ اپنے تئیں خود کو مسلمان سمجھتے تھے۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے

تھے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اہلِ مکہ کے ساتھ لڑائی مول لے لی ہے' اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں امن کے ساتھ رہنا چاہیے اور امن و آشتی کے ماحول میں ان سے بات کرنی چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خیر خواہ ہیں' ہم بھلی بات کہہ رہے ہیں' جبکہ یہ بیوقوف لوگ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ کس سے ٹکرا رہے ہیں! ہاتھ میں اسلحہ نہیں ہے اور لڑائی کے لیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ تو بیوقوف ہیں۔ اپنے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ ہم تو بڑے مخلص ہیں۔ جان لیجیے کہ منافقین میں یقیناً بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جو اسلام میں داخل ہی دھوکہ دینے کی خاطر ہوتے تھے اور اُن پر پہلے دن سے یہ واضح ہوتا تھا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں' ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا محض لبادہ اوڑھا ہے۔ ایسے منافقین کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت ۷۲ میں آئے گا۔ لیکن اکثر و بیشتر منافقین دوسری طرح کے تھے' جنہیں اپنے نفاق کا شعور حاصل نہیں تھا۔

آیت ۱۰ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''اُن کے دلوں میں ایک روگ ہے۔'' یہ روگ اور بیماری کیا ہے؟ ایک لفظ میں اس کو ''کردار کی کمزوری'' (weakness of character) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص وہ ہوتا ہے جو حق کو حق سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور پھر ''ہر چہ باداباد'' (جو ہو سو ہو) کی کیفیت کے ساتھ اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو حق کو پہچان لینے کے باوجود رد کر دیتا ہے۔ اسے ''کافر'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ ایک شخص وہ بھی ہے جو حق کو حق پہچان کر آیا تو سہی' لیکن کردار کی کمزوری کی وجہ سے اس کی قوتِ ارادی کمزور ہے۔ ایسے لوگ آخرت بھی چاہتے ہیں لیکن دنیا بھی ہاتھ سے دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہاں کا بھی کوئی نقصان نہ ہو اور آخرت کا بھی سارا بھلا ہمیں مل جائے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے دلوں میں ایک روگ ہے۔

﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ''تو اللہ نے ان کے روگ میں اضافہ کر دیا۔'' یہ اللہ کی سنت ہے۔ آپ حق پر چلنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ حق کا راستہ آپ پر آسان کر دے

گا' لیکن اگر آپ برائی کی طرف جانا چاہیں تو بڑی سے بڑی برائی آپ کے لیے ہلکی ہوتی چلی جائے گی۔ آپ خیال کریں گے کہ کوئی خاص بات نہیں' جب یہ کر لیا تو اب یہ بھی کر گزرو۔ اور اگر کوئی بین بین لٹکنا چاہے تو اللہ اس کو اُسی راہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ ٹھیک ہے' وہ سمجھتے ہیں ہم کامیاب ہو رہے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو بھی دھوکہ دے لیا' وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور یہودیوں کو بھی دھوکہ دے لیا' وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے ساتھی ہیں۔ تو ان کا یہ سمجھنا کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں' بالکل غلط ہے۔ حقیقت میں یہ کامیابی نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ تباہ کن راستہ ان کے لیے آسان کر دیا ہے جو انہوں نے خود منتخب کیا تھا۔ ان کے دلوں میں جو روگ موجود تھا اللہ نے اس میں اضافہ فرما دیا۔

﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ ﴾ ''اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔'' اوپر کفار کے لیے الفاظ آئے تھے: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ اور یہاں عَذَابٌ اَلِيْمٌ کا لفظ آیا ہے کہ اُن کے لیے دردناک اور المناک عذاب ہے۔

﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ ''بسبب اس جھوٹ کے جو وہ بول رہے تھے۔''

آیت ۱۱ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ مت فساد کرو زمین میں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا تو اب ان کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرو' انؐ کے پیچھے چلو۔ انؐ کا حکم ہے تو جنگ کے لیے نکلو۔ انؐ کی طرف سے تقاضا آتا ہے تو مال پیش کرو۔ اور اگر تم اس سے کتراتے ہو تو پھر جماعتی زندگی کے اندر فتنہ و فساد پھیلا رہے ہو۔

﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔'' ہم تو صلح کرانے والے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ لڑنا بھڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے' ٹکراؤ اور تصادم کوئی اچھے کام تھوڑے ہی ہیں۔ بس لوگوں کو ٹھنڈے ٹھنڈے دعوت دیتے رہو' جو چاہے قبول کر لے اور جو چاہے رد کر دے۔ یہ خواہ مخواہ دشمن سے ٹکرانا اور جنگ کرنا کس لیے؟ اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے قربانیاں دینے'

مصیبتیں جھیلنے اور مشقتیں برداشت کرنے کے مطالبے کا ہے کے لیے؟

آیت ۱۲ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں' مگر انہیں شعور نہیں ہے۔'' یہی تو ہیں جو فساد پھیلانے والے ہیں۔ اس لیے کہ محمد ﷺ کی دعوت تو زمین میں اصلاح کے لیے ہے۔ اس اصلاح کے لیے کچھ آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ مریض اس درجے کو پہنچ چکا ہے کہ آپریشن کے بغیر اس کی شفا ممکن نہیں ہے۔ اب اگر تم اس آپریشن کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہو تو درحقیقت تم فساد مچا رہے ہو' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ آیت کے آخری الفاظ ﴿وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شعوری نفاق اور شے ہے' جبکہ یہاں سارا تذکرہ غیر شعوری نفاق کا ہو رہا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ' جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔'' آخر دیکھو' یہ دوسرے اہل ایمان ہیں' جب بلاوا آتا ہے تو فوراً لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں' جبکہ تم نے اور ہی روش اختیار کر رکھی ہے۔

﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ ''وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟'' منافقین سچے اہل ایمان کے بارے میں کہتے تھے کہ انہیں تو اپنے نفع کی فکر ہے نہ نقصان کی' نہ خطرات کا کوئی خیال ہے نہ اندیشوں کا کوئی گمان۔ جان' مال اور اولاد کی کوئی پروا نہیں۔ یہ گھر بار کو چھوڑ کر آ گئے ہیں' اپنے بال بچے کفارِ مکہ کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے ہیں کہ سردارانِ قریش اُن کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں' تو یہ تو بیوقوف لوگ ہیں۔ (آج کل آپ ایسے لوگوں کو fanatics کہتے ہیں) بھئی دیکھ بھال کر چلنا چاہیے' دائیں بائیں دیکھ کر چلنا چاہیے۔ اپنے نفع و نقصان کا خیال کر کے چلنا چاہیے۔ ٹھیک ہے' اسلام دینِ حق ہے' لیکن بہرحال اپنی اور اپنے اہل و عیال کی مصلحتوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔ یہ لوگ تو معلوم ہوتا ہے بالکل دیوانے اور fanatics ہو گئے ہیں۔

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ وہی بیوقوف ہیں' لیکن انہیں علم نہیں۔'' وہ صادق الایمان جو ایمان کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت حاضر ہیں' ان سے بڑا عقل مند اور ان سے بڑا سمجھ دار کوئی نہیں۔ انہوں نے یہ جان لیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' یہ زندگی تو عارضی ہے' تو اگر کل کے بجائے آج ختم ہو جائے یا ابھی ختم ہو جائے تو کیا فرق پڑے گا؟ یہاں سے جانا تو ہے' آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں' جانا تو ہے۔ تو عقل تو ان کے اندر ہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔'' عام یہودی بھی کہتے تھے کہ ہم بھی تو آخر اللہ کو اور آخرت کو مانتے ہیں' جبکہ منافق تو رسولؐ کو بھی مانتے تھے۔

﴿وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ﴾ ''اور جب یہ خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس۔'' یہاں ''شیاطین'' سے مراد یہود کے علماء بھی ہو سکتے ہیں اور منافقین کے سردار بھی۔ عبداللہ بن اُبی منافقینِ مدینہ کا سردار تھا۔ اگر وہ کبھی انہیں ملامت کرتا کہ معلوم ہوتا ہے تم تو بالکل پوری طرح سے مسلمانوں میں شامل ہی ہو گئے ہو' تمہیں کیا ہو گیا ہے تم محمد (ﷺ) کی ہر بات مان رہے ہو' تو اب انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے کہنا پڑھتا تھا کہ نہیں نہیں' ہم تو مسلمانوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں' ہم ان سے ذرا تمسخر کر رہے ہیں' ہم آپ ہی کے ساتھ ہیں' آپ فکر نہ کریں۔ منافق تو ہوتا ہی دو رُخا ہے۔ ''نفق'' کہتے ہیں سرنگ کو' جس کے دو راستے ہوتے ہیں۔ ''نافقاء'' گوہ کے بل کو کہا جاتا ہے۔ گوہ اپنے بل کے دو مُنہ رکھتا ہے کہ اگر کتا شکار کے لیے ایک طرف سے داخل ہو جائے تو وہ دوسری طرف سے نکل بھاگے۔ تو منافق بھی ایسا شخص ہے جس کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں منافقین کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ (آیت ۱۴۳)

یعنی کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں' مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں۔ نہ اِدھر کے ہیں

نہ اُدھر کے ہیں۔

لفظ ''شَیْطٰن'' کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مادہ ''ش ط ن'' ہے اور دوسری یہ کہ یہ ''ش و ط'' مادہ سے ہے۔ شَطَنَ کے معنی ہیں تَبَعَّدَ یعنی بہت دور ہو گیا۔ پس شیطان سے مراد ہے جو اللہ کی رحمت سے بہت دور ہو گیا۔ جبکہ شَاطَ یَشُوْطُ کے معنی ہیں اِحْتَرَقَ غَضَبًا وَحَسَدًا یعنی کوئی شخص غصے اور حسد کے اندر جل اٹھا۔ اس سے فَعْلَان کے وزن پر ''شیطان'' ہے' یعنی وہ جو حسد اور غضب کی آگ میں جل رہا ہے۔ چنانچہ ایک تو شیطان وہ ہے جو جنات میں سے ہے' جس کا نام پہلے ''عزازیل'' تھا' اب ہم اسے ابلیس کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر یہ کہ دنیا میں جو بھی اُس کے پیروکار ہیں اور اس کے مشن میں شریک کار ہیں' خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے' وہ بھی شیاطین ہیں۔ اسی طرح اہل کفر اور اہل زیغ کے جو بڑے بڑے سردار ہوتے ہیں ان کو بھی شیاطین سے تعبیر کیا گیا۔ آیت زیر مطالعہ میں شیاطین سے یہی سردار مراد ہیں۔

﴿ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ ''کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو محض مذاق کر رہے ہیں۔'' جب وہ علیحدگی میں اپنے شیطانوں یعنی سرداروں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں' ان مسلمانوں کو تو ہم بیوقوف بنا رہے ہیں' ان سے استہزاء اور تمسخر کر رہے ہیں جو ان کے سامنے ''اٰمَنَّا'' کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ''درحقیقت اللہ اُن کا مذاق اڑا رہا ہے اور اُن کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ اپنے عقل کے اندھے پن میں بڑھتے چلے جائیں۔'' اللہ تعالیٰ سرکشوں کی رسّی دراز کرتا ہے۔ کوئی شخص سرکشی کے راستے پر چل پڑے تو اللہ تعالیٰ اسے فوراً نہیں پکڑتا' بلکہ اسے ڈھیل دیتا ہے کہ چلتے جاؤ جہاں تک جانا چاہتے ہو۔ تو ان کی بھی اللہ

تعالیٰ رسّی دراز کر رہا ہے' لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اصل میں مذاق تو اللہ کے نزدیک اُن کا اڑ رہا ہے۔

لفظ ''یَعْمَهُوْنَ'' عقل کے اندھے پن کے لیے آیا ہے۔ اس کا مادہ ''ع م ھ'' ہے۔ آگے آیت ۱۸ میں لفظ ''عُمْیٌ'' آ رہا ہے جو ''ع م ی'' سے ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''عَمِهَ یَعْمَهُ'' بصیرت سے محرومی کے لیے آتا ہے اور ''عَمِیَ یَعْمٰی'' بصارت سے محرومی کے لیے۔

آیت ۱۶ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی خرید لی ہے۔'' یہ بڑا پیارا اندازِ بیان ہے۔ ان کے سامنے دونوں options تھے۔ ایک شخص نے گمراہی کو چھوڑا اور ہدایت لے لی۔ اسے اس کی بھاری قیمت دینا پڑی۔ اسے تکلیفیں اٹھانی پڑیں' آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا' قربانیاں دینا پڑیں۔ اس نے یہ سب کچھ منظور کیا اور ہدایت لے لی۔ جبکہ ایک شخص نے ہدایت دے کر گمراہی لے لی ہے۔ آسانی تو ہوگئی' فوری تکلیف سے تو بچ گئے' دونوں طرف سے اپنے مفادات کو بچالیا' لیکن حقیقت میں سب سے زیادہ گھاٹے کا سودا یہی ہے۔

﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝﴾ ''سو نافع نہ ہوئی ان کی تجارت ان کے حق میں اور نہ ہوئے راہ پانے والے''۔ ''رَبِحَ یَرْبَحُ'' کے معنی ہیں تجارت وغیرہ میں نفع اٹھانا' جو ایک صحیح اور جائز نفع ہے' جبکہ ''رب و'' مادہ سے رَبَا یَرْبُوْ کے معنی بھی مال میں اضافہ اور بڑھوتری کے ہیں' لیکن وہ حرام ہے۔ تجارت کے اندر جو نفع ہو جائے وہ ''رِبح'' ہے' جو جائز نفع ہے اور اپنا مال کسی کو قرض دے کر اُس سے سود وصول کرنا ''رِبا'' ہے جو حرام ہے۔

اب یہاں دو بڑی پیاری تمثیلیں آ رہی ہیں۔ پہلی تمثیل کفار کے بارے میں ہے اور دوسری تمثیل منافقین کے بارے میں۔

آیت ۱۷ ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ﴾ ''ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔''

﴿فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ ''پھر جب اُس آگ نے سارے ماحول کو روشن کر دیا۔''

﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے ان کا نورِ بصارت سلب کر لیا۔''

﴿وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور چھوڑ دیا ان کو ان اندھیروں کے اندر کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔''

یہاں ایک شبِ تاریک کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے میرا شعلۂ نوا قندیل!

اندھیری شب ہے۔ قافلہ بھٹک رہا ہے۔ کچھ لوگ بڑی ہمت کرتے ہیں کہ اندھیرے میں بھی اِدھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور آگ روشن کر دیتے ہیں۔ لیکن عین اُس وقت جب آگ روشن ہوتی ہے تو کچھ لوگوں کی بینائی سلب ہو جاتی ہے۔ پہلے وہ اندھیرے میں اس لیے تھے کہ خارج میں روشنی نہیں تھی۔ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں رہ گئے کہ خارج میں تو روشنی آ گئی مگر ان کے اندر کی روشنی گُل ہو گئی' ان کی بصارت سلب ہو گئی۔ یہ مثال ہے اُن کفار کی جو اسلام کی روشنی پھیلنے کے باوجود اس سے محروم رہے' محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے ہر سو تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی حقیقت واضح نہیں تھی۔ قافلۂ انسانیت اندھیری شب میں بھٹک رہا تھا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے آگ روشن کر دی۔ اس طرح ہدایت واضح ہو گئی۔ لیکن کچھ ضد' تعصب' تکبر یا حسد کی بنیاد پر کچھ لوگوں کی اندر کی بینائی زائل ہو گئی۔ چنانچہ وہ تو ویسے کے ویسے بھٹک رہے ہیں۔ جیسے پہلے اندھیرے میں تھے ویسے ہی اب بھی اندھیرے میں ہیں۔ روشنی میں آنے والے تو وہ ہیں جن کا ذکر سب سے پہلے ''المتقین'' کے نام سے ہوا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ''یہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' سو اب یہ نہیں لوٹیں گے۔'' اَصَمُّ بہرے کو کہتے ہیں' صُمٌّ اس کی جمع ہے' اَبْکَمُ گونگے کو کہا جاتا ہے' بُکْمٌ اس کی جمع ہے۔ اَعْمٰی اندھے کو کہتے ہیں' عُمْیٌ

اس کی جمع ہے۔ فرمایا کہ یہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' اب یہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ابوجہل' ابولہب' ولید بن مغیرہ اور عقبہ بن ابی معیط سب کے سب ابھی زندہ تھے جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں۔ یہ سب تو غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوئے جو سن ۲ ہجری میں ہوا۔ تو یہ لوگ اس مثال کا مصداقِ کامل تھے۔ آگے اب دوسری مثال بیان کی جا رہی ہے۔

آیت ۱۹ ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ﴾ ''یا اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بڑے زور کی بارش برس رہی ہے آسمان سے' اُس میں اندھیرے بھی ہیں اور گرج اور بجلی (کی چمک) بھی۔''

﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ ''یہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے اندر ٹھونسے لیتے ہیں مارے کڑک کے' موت کے ڈر سے۔'' یعنی اس ہیبت ناک کڑک سے کہیں اُن کی جانیں نہ نکل جائیں۔

﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ ایسے کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' وہ ان منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے' یہ بچ کر کہاں جائیں گے؟

آیت ۲۰ ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔''

﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ﴾ ''جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں۔'' جونہی انہیں ذرا روشنی محسوس ہوتی ہے اور دائیں بائیں کچھ نظر آتا ہے تو کچھ دور چل لیتے ہیں۔

﴿وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا﴾ ''اور جب ان پر تاریکی طاری ہو جاتی ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔''

یہ ایک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ایک طرف بارش ہو رہی ہے۔ یعنی قرآن مجید آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ بارش کو قرآن مجید ''مَاءً مُّبٰرَكًا'' قرار دیتا ہے اور یہ خود

''كِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ'' ہے۔ لیکن یہ کہ اس کے ساتھ کڑکے ہیں' گرج ہے' کفر سے مقابلہ ہے' کفر کی طرف سے دھمکیاں ہیں' اندیشے اور خطرات ہیں' امتحانات اور آزمائشیں ہیں۔ چنانچہ منافقین کا معاملہ یہ ہے کہ ذرا کہیں حالات کچھ بہتر ہوئے' کچھ breething space ملی تو مسلمانوں کے شانہ بشانہ تھوڑا سا چل لیے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ جب وہ دیکھتے کہ حالات کچھ پُرسکون ہیں' کسی جنگ کے لیے بلایا نہیں جا رہا ہے تو بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے اور اپنے ایمان کا اظہار بھی کرتے' لیکن جیسے ہی کوئی آزمائش آتی ٹھٹھک کر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ﴾ ''اور اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا۔'' لیکن اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ فوری گرفت نہیں کرتا۔ اُس نے انسان کو ارادے اور عمل کی آزادی دی ہے۔ تم اگر مؤمنِ صادق بن کر رہنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ اُس روش کو تمہارے لیے آسان کر دے گا۔ اور اگر تم نے اپنے تعصب یا تکبر کی وجہ سے کفر کا راستہ اختیار کیا تو اللہ اُسی کو تمہارے لیے کھول دے گا۔ اور اگر تم بیچ میں لٹکنا چاہتے ہو ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ﴾ تو لٹکتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو جبراً حق پر لائے گا اور نہ ہی کسی کو جبراً باطل کی راہ پر لے کر جائے گا۔ اس لیے کہ اگر جبر کا معاملہ ہو تو پھر امتحان کیسا؟ پھر تو جزا و سزا کا تصور غیر منطقی اور غیر معقول ٹھہرتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۃ البقرۃ کے یہ ابتدائی دو رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں انسانی شخصیتوں کی تین گروہوں میں تقسیم کر دی گئی ہے' اور تاویلِ عام ذہن میں رکھیے کہ جب بھی کوئی دعوتِ حق اُٹھے گی' اگر وہ واقعتاً کُل کی کُل حق کی دعوت ہو اور اُس میں انقلابی رنگ ہو کہ باطل سے پنجہ آزمائی کر کے اسے نیچا دکھانا ہے اور حق کو غالب کرنا ہے' تو یہ تین قسم کے افراد لازماً وجود میں آ جائیں گے۔ ان کو پہچاننا اور ان کے کردار کے پیچھے جو اصل پس منظر ہے اس کو جاننا بہت ضروری ہے۔

حیاتِ دُنیا کے حوادث

اور

مؤمنانہ طرزِ عمل

سورۃ الحدید آیات ۲۲ تا ۲۴ کی روشنی میں

تحریر: انجینئر نوید احمد

حیاتِ دُنیوی کے دوران ہر انسان کو مختلف حوادث اور بدلتے ہوئے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ تکلیف دہ واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں اور مسرت بخش لمحات بھی آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تین عالم بنائے ہیں۔ ایک یہ دنیا کا عالم ہے، دوسرا عالمِ جنت ہے اور تیسرا عالمِ جہنم۔ جنت ایسا عالم ہے جہاں راحتیں ہی راحتیں ہیں۔ جہنم ایسا عالم ہے کہ جہاں پر تکالیف ہی تکالیف ہیں۔ عالمِ دنیا میں راحتیں بھی ہیں اور تکالیف بھی۔ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ تکلیف یا راحت مسلمان کو بھی پہنچتی ہے اور کافر کو بھی۔ البتہ اِس حوالے سے ایک مسلمان اور ایک کافر کے ردِّعمل میں فرق ہونا چاہیے۔ اِس لیے کہ مسلمان اللہ، آخرت اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہے جبکہ کافر اِس نعمت سے محروم ہے۔ حیاتِ دنیا کے حوادث پر مؤمنانہ طرزِ عمل کے حوالے سے سورۃ الحدید کی آیات ۲۲ تا ۲۴ میں ایمان افروز رہنمائی دی گئی ہے۔ آیت ۲۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾

''نہیں پڑتی کوئی آفت زمین پر اور نہ ہی خود تم پر مگر ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے

قبل اس کے کہ ہم اُسے ظاہر کریں۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔''

اِس آیت میں حوادث کے لیے لفظ ''مصیبت'' آیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں وارد ہونے والی شے خواہ وہ خوشگوار ہو یا تکلیف دہ۔ عام طور پر تکلیف دہ معاملہ کا انسان زیادہ تأثر لیتا ہے لہٰذا ''مصیبت'' کا لفظ اکثر صرف اِسی صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خوشگوار یا تکلیف دہ حوادث زمین پر بھی وارد ہوتے ہیں اور کسی انسان پر بھی۔ زمین پر اِس کی صورت بارانِ رحمت' فرحت بخش ہواؤں اور اچھی فصلوں' یا زلزلے' طوفانی بارشوں' ژالہ باری' سیلاب' سمندری طوفان' تیز ہواؤں' خراب فصلوں وغیرہ کی ہوتی ہے۔ انسان پر اِس کا ورود کامیابیوں یا ناکامیوں' مال و جان کے نقصان اور بیماریوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ اِس آیت میں رہنمائی عطا کی گئی ہے کہ:

۱) زمین اور انسانوں پر وارد ہونے والے حوادث اللہ کے حکم سے وارد ہوتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق اور اِس میں جاری مختلف معاملات کسی اندھے بہرے مادّہ کی کارفرمائی نہیں ہیں۔ ایک حکیم و دانا ہستی اِس کائنات کی خالق ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے اِذن سے ہو رہا ہے۔ دنیا میں نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ' جب تک اللہ کا اِذن نہ ہو۔ ترمذی میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو تاکید فرمائی:

((اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ' وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) (۱)

''جب تو سوال کرتو صرف اللہ سے سوال کر' جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر' اور یہ بات جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا' اور اگر وہ جمع ہو کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا۔ قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں''۔

ہر واقعہ کے پیچھے بظاہر کچھ اسباب نظر آتے ہیں لیکن اسباب کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہے۔ جو بھی حالات وارد ہو رہے ہیں' اُن میں بظاہر کوئی بھلائی یا برائی اپنے لیے کما رہا ہے لیکن اِن کے پیچھے اصل فاعلِ حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے۔ ممکن

ہے کہ کسی ڈاکٹر نے غلط انجکشن لگا دیا ہو' ممکن ہے کہ کسی نے وار کیا ہو اور انسان اُس وار سے ہلاک ہو گیا' لیکن یہ سب کا سب ہو نہیں سکتا تھا جب تک اللہ تعالیٰ کا اِذن نہ ہو۔ موت کا وقت اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے۔ جب تک موت کا وقت نہ آئے' انسان مر نہیں سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بڑا حکیمانہ قول ہے:

اَلْمَوْتُ خَيْرُ الْحَافِظَة وَالْمَوْتُ خَيْرُ الْوَاعِظَة

''موت بہترین محافظ ہے اور موت ہی بہترین واعظ ہے۔''

موت محافظ اِس معنی میں ہے کہ اِس کا وقت طے ہے' لہٰذا جب تک اِس کا وقت نہیں آتا' کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ موت بہترین واعظ ہے' یعنی اگر انسان کو موت یاد رہے تو پھر اُس کی زندگی کا رُخ صحیح ہو جاتا ہے۔

۲) جو واقعات بھی ظہور پذیر ہو رہے ہیں وہ پہلے سے ایک کتاب یعنی کتابِ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہ معاملہ مشکل نظر آتا ہے لیکن واضح کیا گیا کہ: ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ ''بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے''۔ اگر اللہ کی ذات وصفات کی بے حد وحساب وسعت سامنے ہو تو اِس حوالے سے کوئی تعجب نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دو حقائق سامنے ہوں تو اِس کا جو نتیجہ ظاہر ہوتا ہے وہ آیت ۲۳ میں بیان ہوا:

﴿لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴾

''تاکہ تم افسوس نہ کرو اُس پر جو شے تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اترا ؤ اُس پر جو تم کو وہ (اللہ) عطا کرے' اور اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو۔''

مسلمان جب اِس حقیقت پر غور کرتا ہے کہ ہر معاملہ اللہ ہی کے حکم سے ظہور پذیر ہوا اور کتابِ تقدیر میں وہ پہلے ہی سے درج تھا تو اب نہ وہ ناخوشگوار حالات پر شدتِ غم سے نڈھال ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کامیابی پر اتراتا اور اکڑتا ہے۔ اس کی وجہ مذکورہ بالا دو نکات کے حسبِ ذیل مضمرات ہیں:

۱) عام آدمی کو اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اِسے کسی دیوتا کی ناراضگی یا اسباب کے مخالف ہونے کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اگر اُسے کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو اِسے کسی دیوتا کی نظرِ کرم یا اسباب کے موافق ہونے کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔ کسی بھی واقعہ کے ظہور کو غیر اللہ کی

طرف منسوب کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ ہدایت کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تعالیٰ کے مطابق ہر نعمت اللہ دیتا ہے اور تکلیف بھی وہی دیتا ہے۔ خیر ہو یا شر' خوشگوار حالات ہوں یا ناگوار' جو بھی ہے مِن جانب اللہ ہے۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوا' لہٰذا نقصان کی صورت میں اسباب کے خلاف پیچ و تاب اور انتقام کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی خیر ملی ہے تو وہ اللہ کا فضل ہے نہ کہ انسان کا اپنا کمال۔ لہٰذا انسان میں نہ تکبر کا احساس پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اتراتا اور اپنی بڑائی کرتا ہے۔

۲) اِس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے تمام معاملات پہلے ہی سے طے شدہ اور علمِ خداوندی میں موجود ہیں۔ لہٰذا یہاں کوئی واقعہ ممکن ہے ہمارے لیے حادثہ ہو' درحقیقت حادثہ نہیں ہے۔ کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ جو تکلیف آئی ہے وہ اپنے طے شدہ وقت پر آنی ہی تھی اور تقدیر میں لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۳) اللہ کے ہر فیصلہ میں ضرور کوئی خیر پوشیدہ ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''کہو کہ اے اللہ' (اے) بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے' اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے' ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

ہم اپنے ناقص علم کی وجہ سے اللہ کے فیصلہ کے خیر کے پہلو کو سمجھ نہیں سکتے لیکن اللہ کے فیصلہ میں ضرور ہماری بہتری ہوتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ)

''تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو' ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو' اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو' اور اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔''

سورۃ التوبہ میں منافقین کو اہلِ ایمان کی طرف سے آگاہ کیا گیا:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾﴾

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے' وہی ہمارا کارساز ہے اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ کہہ دیجئے کہ تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی' اور ہم تمہارے حق میں منتظر ہیں کہ بھیجے اللہ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو انتظار کرو' ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔''

حدیثِ مبارکہ ہے:

((عَجَباً لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ)) (۲)

''مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے' اُس کے ہر معاملے میں خیر ہے' اور یہ چیز مؤمن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اُسے نعمت ملے وہ شکر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے' اور اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے وہ صبر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہماری مصلحتوں کا ہم سے بہتر جاننے والا ہے۔ بقول شاعر:۔

کار سازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

''ہمارا کارساز ہمارے مسائل کے حل کا دھیان رکھتا ہے۔ ہمارا بذاتِ خود اپنے مسائل کے حل کے بارے میں متفکر ہونا ہمیں پریشان کر دیتا ہے۔''

ہمیں اِس دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' اگر ہم نے اُس پر صبر کیا تو وہ روزِ قیامت ہمارے گناہوں کا کفارہ اور ہمارے حق میں باعثِ اجر و ثواب ہوگی۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ)) (۳)

''جس بندے کے بارے میں اللہ خیر کا فیصلہ فرماتا ہے' اُسے مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔''

((اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا' وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (۴)

''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کو (اُس کے گناہوں کی سزا) جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اور آزمائشوں کے ذریعے سے اُس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے) اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے اُس کے گناہ کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے' یہاں تک کہ قیامت والے دن اُس کو پوری سزا دے گا''۔

نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

((اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَآءِ' وَاِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ قَوْماً اِبْتَلَاھُمْ' فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَا' وَمَنْ سَخِطَ فَلَہُ السَّخَطُ)) (۵)

''آزمائش جتنی عظیم ہوگی بدلہ بھی اسی قدر عظیم ہوگا' اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اُس کو آزمائش سے دوچار فرما دیتا ہے' پس جو (اُس سے) راضی ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) رضا ہے اور جو (اُس آزمائش کی وجہ سے اللہ سے) ناراض ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) ناراضی ہے۔''

((یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّہٗ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَہٗ اِلَّا الْجَنَّۃُ)) (۶)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں جب اپنے مؤمن بندے کے اہل دنیا میں سے کسی پیارے کو واپس لے لیتا ہوں لیکن وہ اُس پر ثواب کی نیت (سے صبر و رضا کا مظاہرہ) کرتا ہے تو اُس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔''

((مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا ھَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْکَۃِ یُشَاکُھَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ)) (۷)

''مسلمان کو جو بھی تکان' بیماری' فکر' غم اور تکلیف پہنچتی ہے' حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اِس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃٌ لَمْ یَبْلُغْھَا بِعَمَلِہٖ اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ فِیْ

جَسَدِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ وَلَدِهٖ ——— قَالَ ابو داوٗد زَادَ ابْنُ نُفَیْلٍ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ اتَّفَقَا ——— حَتّٰی یُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی)) (۸)

''کسی بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل (مجاہدے) سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ یا پریشانی (غیر اختیاری مجاہدے) میں مبتلا کر دیتا ہے' پھر اُس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے' یہاں تک کہ اُسے اُس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اُس کے لیے پہلے سے طے ہو چکا ہوتا ہے''۔

سورۂ کہف میں ایک قصہ کے ذریعہ واضح کیا گیا کہ واقعات کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے لیکن اُن کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اِس قصہ میں تین واقعات ایسے آئے ہیں کہ جن کا ظاہر شر محسوس ہو رہا تھا لیکن اُن کی حقیقت خیر تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر پھینک دیا۔ بظاہر یہ کام ظلم تھا لیکن حضرت خضرؑ نے وضاحت کی کہ ایک بادشاہ صحیح سالم کشتیوں کو غصب کرتا آ رہا تھا۔ اگر یہ کشتی سالم ہوتی تو بادشاہ چھین لیتا۔ گویا ایک تختہ ضائع ہو گیا لیکن پوری کشتی بچ گئی۔ اِس کے بعد ایک بچے کو حضرت خضرؑ نے قتل کر دیا۔ بظاہر یہ قتلِ ناحق تھا لیکن حضرت خضرؑ نے بتایا کے اِس بچے نے بڑے ہو کر اپنے والدین کے لیے وبالِ جان بننا تھا۔ وہ اپنا بھی نامۂ اعمال سیاہ کرتا اور والدین کو بھی پریشان کرتا۔ اللہ تعالیٰ والدین کو اِس سے بہتر بچہ عطا فرمائے گا۔ اِس کے بعد حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں نے اِن مسافروں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ حضرت خضرؑ نے بستی میں ایک ایسی دیوار تعمیر کر دی جو بالکل گرنے والی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ آپ نے بغیر معاوضے کے بخیل بستی والوں کا یہ کام کر دیا۔ حضرت خضرؑ نے وضاحت کی کہ اِس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کی وراثت ایک خزانہ کی صورت میں دفن ہے۔ اگر دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ بخیل بستی والوں کے ہاتھ میں آ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ دیوار تعمیر کرا دی تا کہ حق داروں کو اُن کا حق مل جائے۔ آخر میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میں نے سب کچھ اللہ کے حکم سے کیا اور یہ سب اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں۔

۴) اِس دنیا کی ہر راحت یا تکلیف عارضی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿﴾ (النحل)

''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے (یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا)۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو اُن کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔''

اگر کوئی شے ہم سے چھن گئی ہے تو اُس نے ایک روز فنا ہونا ہی تھا۔ دُنیوی زندگی تو ہے ہی بڑی محدود۔ اصل زندگی تو ہے ہی آخرت کی۔ انسان کی تمنا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ ہمیں آخرت کی نعمتیں عطا فرما۔ ہمیں اپنے مرنے والے عزیزوں کا جنت میں ساتھ عطا فرما۔ جنت کا ساتھ کبھی ختم ہونے والا نہیں اور دنیا کا ساتھ تو لازمی ختم ہوگا۔ آج اگر ہمارے کسی عزیز کا انتقال ہوا ہے تو اُس نے ایک روز مرنا ہی تھا اور ہمیں بھی کسی روز یہاں سے رخصت ہونا ہی ہے۔ اِسی لیے مصیبت پر یہ کلمات پڑھنا مسنون ہے کہ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے)۔

ایک بادشاہ نے شاندار محل بنوایا اور ایک درویش کو اُس محل کے نظارہ کی دعوت دی۔ درویش نے تبصرہ کیا کہ اگر کسی طرح دو باتوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر یہ محل بہت ہی عمدہ ہے۔ پہلی یہ کہ محل کے بارے میں ضمانت مل جائے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسری یہ کہ بادشاہ سلامت بھی ہمیشہ اِس محل میں رہ سکیں گے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ محل یہیں رہے گا اور بادشاہ سلامت دنیا سے چلے جائیں گے اور یا بادشاہ سلامت کے سامنے کوئی آفت اِس محل کو برباد کر دے گی۔

۵) اللہ تعالیٰ نے دُنیوی زندگی ہمیں عطا ہی اِس لیے کی ہے کہ وہ ہمارا امتحان لے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ﴾ (الملک: ۲)

''اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے۔''

علامہ اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اِس دنیا میں انسان پر جو اچھے یا برے حالات آتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک

امتحان وآزمائش کا ذریعہ ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ (الانبیاء)

''اور ہم تمہیں آزماتے ہیں شر اور خیر سے جو آزمائش کی صورتیں ہیں' اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔''

اِس حقیقت کو بڑے مؤثر اسلوب میں بیان کیا گیا سورۃ الفجر کی آیات ۱۵ اور ۱۶ میں:

﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ ﴾

''پس انسان (کا معاملہ عجیب ہے کہ) جب اُس کا پروردگار اُس کو آزماتا ہے تو اُسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اُس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔''

درحقیقت دُنیوی زندگی میں نہ تو خوشحالی عزت کی علامت ہے اور نہ ہی تنگدستی ذلت کا مظہر۔یہ دونوں صورتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں۔اللہ ہر پہلو سے انسان کو جانچتا ہے۔ کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی چھین کر۔ایک شکر کا امتحان ہے اور دوسرا صبر کا۔کبھی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا نہیں۔کہیں عیش میں اللہ کو بھول تو نہیں جاتا۔بقول شاعر:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا' وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا!

کبھی اللہ تعالیٰ تکلیف دیتا ہے یہ جانچنے کے لیے کہ بندہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔قرآنِ حکیم میں بار بار نیک بندوں کی صفات آئی ہیں صبر اور شکور۔نعمتوں کے ملنے پر ہمیں شکر کرنا چاہیے اور تکلیف آنے پر صبر۔مصائب پر شور و واویلا کرنے' مرثیہ پڑھنے اور اللہ سے شکوہ یا شکایت کرنے سے مرنے والے واپس نہیں آتے اور نقصانات کی تلافی نہیں ہوتی' لیکن ہم اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔بعض خواتین غم کے موقع پر اِس انداز سے مرنے والے کی باتیں یاد دلاتی ہیں یا نوحہ پڑھتی ہیں کہ اِس سے صدمہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔یہ عمل اللہ کو پسند نہیں' کیونکہ ایسا کرنا اللہ کے فیصلہ پر عدم اطمینان کا اظہار ہے۔اِس حوالے سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بَرِیْ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ(۹)

''بے شک اللہ کے رسول ﷺ اُس عورت سے بیزار ہیں جو نوحہ کرنے والی' (مصیبت کی وجہ سے) سر منڈانے والی اور گریبان چاک کرنے والی ہو۔''

((اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ)) (۱۰)

''بین کرنے والی عورت' اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے' تو اُسے قیامت کے دن اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اُس پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی زرہ ہوگی۔''

((اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ)) (۱۱)

''دو چیزیں لوگوں میں ایسی ہیں جو اُن کے حق میں کفر ہیں۔ نسب میں طعنہ زنی کرنا اور میت پر بین کرنا۔''

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) (۱۲)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخساروں کو پیٹا اور گریبانوں کو چاک کیا اور جاہلیت کے بول بولے (یعنی بین کیا)۔''

((عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ :اَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِیُّ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَنْ لَّا نَنُوْحَ))(۱۳)

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت ہم سے یہ عہد لیا کہ ہم بین نہیں کریں گی۔''

عَنْ اَسِيْدِ بْنِ اَبِیْ اَسِيْدٍ عَنِ امْرَأَةٍ مِنَ الْمُبَايِعَاتِ قَالَتْ: ((كَانَ فِيمَا اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ اَخَذَ عَلَيْنَا اَنْ لَّا نَعْصِيَهُ فِيْهِ اَنْ لَّا نَخْمُشَ وَجْهاً وَّلَا نَدْعُوَ وَيْلاً وَّلَا نَشُقَّ جَيْباً وَّاَنْ لَّا نَنْشُرَ شَعَراً))(۱۴)

''حضرت اُسید بن ابی اُسید اُس عورت سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں سے تھی۔ اُس نے بیان کیا کہ وہ بھلائی کے کام' جن کے کرنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا' اُن میں یہ عہد بھی تھا کہ ہم اللہ کی نافرمانی نہ کریں' چہرہ نہ نوچیں' ہلاکت کی بددعا نہ کریں' گریبان چاک نہ کریں اور بال نہ بکھیریں۔''

پھر اصل صبر وہ ہے جو فوری طور پر کیا جائے' ورنہ شکوے شکایات کرنے کے بعد صبر تو کرنا ہی پڑتا ہے اور اُس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ بیان ہوا :

مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِامْرَأَۃٍ تَبْکِیْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ: ((اتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ)) قَالَتْ: اِلَیْکَ عَنِّیْ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ ' وَلَمْ تَعْرِفْہُ ' فَقِیْلَ لَھَا اِنَّہُ النَّبِیُّ ﷺ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَہُ بَوَّابِیْنَ فَقَالَتْ: لَمْ اَعْرِفْکَ' فَقَالَ :((اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی))(۱۵)

''نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا: ''اللہ سے ڈر اور صبر کر''۔ اُس نے کہا: مجھ سے دُور ہو جا! تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا (اس لیے فرطِ غم میں اُس نے نازیبا انداز اختیار کیا)۔ بعد میں اُسے بتلایا گیا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے۔ چنانچہ (یہ سن کر) وہ آپؐ کے دروازے پر آئی' وہاں دربانوں کو نہیں پایا' (آ کر) اُس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپؐ نے (اُسے پھر وعظ کرتے ہوئے) فرمایا: ''صبر تو یہی ہے کہ صدمے کے آغاز میں کیا جائے (بعد میں تو صبر آ ہی جاتا ہے)۔''

۶) آخرت میں جواب دہی کے حوالے سے صبر کا امتحان شکر کے امتحان کے مقابلہ میں آسان ہے۔ وہ آزمائش نسبتاً آسان ہے جس میں اللہ نے کچھ چھین کر آزمایا ہو' بجائے اِس کے کہ اللہ نے کچھ دے کر امتحان لیا ہو۔ روزِ قیامت ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ﴾ کے مطابق ایک ایک نعمت کے حوالے سے جوابدہی کرنی ہوگی۔ زندگی' مال اور اولاد کے حوالے سے باز پرس ہوگی۔ اِس دنیا میں اِن نعمتوں کی جتنی فروانی ہوگی اتنا ہی حساب دینا یعنی account for کرنا بھاری ہو جائے گا۔ اِس کے برعکس اگر انسان کے پاس دُنیوی نعمتیں کم ہیں تو انسان کے لیے جوابدہی کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں :

((اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّۃِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا النِّسَاءَ))(۱۶)

''میں نے جنت میں دیکھا تو اُس میں اکثر تعداد فقراء کی تھی اور جہنم میں دیکھا تو اُس میں اکثر تعداد عورتوں کی تھی۔''

((يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ.....)) (۱۷)

''فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو برس قبل داخل ہوں گے۔''

((يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطَى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ)) (۱۸)

''قیامت کے دن جب اُن بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' اِن مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام اور چین سے رہے' حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔

صبر کی آزمائش کے نسبتاً آسان ہونے کے حوالے سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں اُن پر تشدد ہو رہا تھا اور پیٹھ پر کوڑے برس رہے تھے' ایسے کوڑے کہ اگر ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا' لیکن آپ نے اِس پر نہ اُف کی اور نہ آنسو بہائے۔ پھر وہ وقت آیا کہ نئے خلیفہ نے تلافی کے لیے آپ کے گھر پر اشرفیوں کا بھرا ہوا تھیلا بھیجا تو آپ رونے لگے اور فرمایا: اے اللہ! میں اس آزمائش کا اہل نہیں ہوں' یہ زیادہ بڑی آزمائش ہے' اِس میں کامیاب ہونا زیادہ مشکل ہے۔

البتہ اِس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ ہم دعا کریں کہ اے اللہ ہمیں بھی صبر کے امتحان میں ڈال دے۔ ایسی آرزو کرنا اپنے آپ کو بہادر ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مشکل آ جائے اور ہم صبر نہ کر سکیں۔ اللہ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی تکلیف آ ہی جائے' کوئی صدمہ پہنچ ہی جائے یا کوئی نقصان ہو ہی جائے تو آدمی اُس پر یہ سوچ کر صبر کر لے کہ اِس امتحان کا اجر اللہ کے ہاں زیادہ ہے' اگر میں اِس پر صبر کر لوں اور اللہ سے کوئی شکوہ وشکایت نہ کروں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ ﷺ : ((قَدْ سَاَلْتَ الْبَلَاءَ فَسَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ)) (۱۹)

''حضور نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک شخص پر سے ہوا' جو دعا کر رہے تھے: اے اللہ! مجھے صبر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اللہ سے آزمائش مانگی ہے' پس اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔''

مسنون دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ وَحُسْنَ الْيَقِيْنِ فِي الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ))

''اے اللہ! میں آپ سے دنیا اور آخرت کے لیے سوال کرتا ہوں بخشش' تندرستی' لوگوں کے شرور سے حفاظت اور عمدہ یقین کا۔''

﴿لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ (تاکہ تم افسوس نہ کرو اُس پر جو شے تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے) کے الفاظ رہنمائی دے رہے ہیں کہ مذکورہ بالا حقائق کا ادراک ہو تو انسان کسی عزیز کے انتقال' کسی مالی نقصان اور کسی موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کا ایسا تأثر نہیں لیتا کہ اپنے بال نوچے' گریبان پھاڑے' سر دیوار سے ٹکرائے' سر پر خاک ڈالے' نوحے یا مرثیے پڑھے' اللہ سے شکوے کرے یا زمانے کو موردِ الزام ٹھہرائے کہ:

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور؟

مذکورہ بالا حقائق کا شعور بندۂ مؤمن میں تسلیم و رضا کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اِس کے برعکس ایک عام انسان کی نگاہ صرف اسباب پر ہوتی ہے اور وہ اچھے یا برے حالات کا بہت زیادہ تأثر لیتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو اعراض کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے' اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔''

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾﴾ (المعارج)

''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے' اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَاِنْ اَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ اَنِّيْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ' فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) (۲۰)

''اُس شے کی حرص کرو جو تمہیں فائدہ دے اور اللہ سے مدد طلب کرو اور ہمت نہ

ہارو' اور اگر تمہیں کچھ (نقصان) پہنچ جائے تو یہ مت کہو کہ اگر میں ایسا کر لیتا تو ایسا ہو جاتا۔ البتہ یہ کہو کہ اللہ کی تقدیر یہی تھی اور جو اُس نے چاہا کر دیا' کیوں کہ 'اگر' کا لفظ (کلمہ لَوْ) شیطان کے کام کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

رضائے حق پہ راضی رہ' یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا خالق' خدا مالک' خدا کا حکم' تو کیسا؟

تسلیم و رضا کی کیفیت کا مولانا محمد علی جوہرؒ کے اِن اشعار میں کیا خوب اظہار ہے جو اُنہوں نے اپنی بیٹی کے نام جیل سے لکھے تھے' جب وہ ٹی بی کے مرض میں مبتلا تھی :

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
امتحاں سخت سہی پر دلِ مؤمن ہی وہ کیا
جو ہر اِک حال میں امید سے مامور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اُس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں!

اللہ اور تقدیر پر ایمان انسان کو داخلی امن و سکون دیتا ہے' کیونکہ ایمان کے معنی ہیں امن دینا۔ بندۂ مؤمن کبھی بھی غم کو گلے کا ہار نہیں بناتا اور نہ ہی اُس کی طبیعت اس طرح بجھ کر رہ جاتی ہے کہ وہ مستقل مایوسی (Depression) کا شکار ہو جائے اور اُس کی کمرِ ہمت ٹوٹ کر رہ جائے۔

اِن آیات میں کسی صدمہ پر فوری اور غیر اختیاری تأثر کی نفی نہیں' بلکہ اُس مستقل تأثر کی نفی ہے جس سے زبان پر شکوہ اور دل میں ربّ سے بدگمانی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر وقتی طور پر انسان مغموم ہو اور آنکھوں سے آنسو بہہ جائیں تو یہ کیفیات ایمان کے منافی نہیں ہیں۔ بخاری و مسلم میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے نواسے یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے پر نزع کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے آپ ﷺ سے تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے پیغام بھیجا:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَااَخَذَ وَلَهٗ مَااَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ)) (۲۱)

''اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اُسی کا ہے' اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اُسی کا ہے'

(الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے' اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز واپس لیتا ہے) اور ہر چیز کے لیے اُس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اُس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اِس صدمہ کے اجر وثواب کی طالب بنو۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے قسم دے کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ آپ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کے ہاں پہنچے۔ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا۔ اُس کا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ اِس حال میں بچے کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اِس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حیرت سے عرض کیا: یہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوْبِ عِبَادِهٖ' فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ))(۲۲)

''یہ رحمت کے اُس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے' اور اللہ کی رحمت اُن ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں' وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔''

اِسی طرح جب آپ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ السلام) پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اُن کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ﷺ کی یہ کیفیت؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا' وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))(۲۳)

''آنکھ آنسو بہاتی ہے' دل مغموم ہے' اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔''

﴿وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ﴾ (اور نہ اتراؤ اُس پر جو تم کو وہ (اللہ) عطا کرے) کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ کسی نعمت کے ملنے پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا ایک فطری عمل ہے اور یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ البتہ ایسے موقع پر خوشی کی وجہ سے پھولے نہ سمانا اور اترانا

ایمان کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان حصولِ نعمت کو اپنی صلاحیت اور کاوشوں کا نتیجہ سمجھتا ہے لہٰذا اُس میں خود پسندی اور اپنی بڑائیاں کرنے کی برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝﴾

(اور اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو)۔

درحقیقت جتنا انسان ایمان سے دور ہوگا اتنا ہی اِن غم اور خوشی کی کیفیات میں اعتدال سے ہٹتا چلا جائے گا۔ جتنا انسان حقائق سے قریب تر آئے گا' ایمان سے بہرہ ور ہوگا' معرفتِ ربانی سے حصہ پائے گا' اتنا ہی اِن دونوں کیفیات کے مابین فاصلہ کم سے کم تر ہوتا چلا جائے گا۔ کشادگی ہو یا تنگی' مسرت بخش صورتِ حال ہو یا تکلیف دہ کیفیت' اِن سب کے مابین انسان کی معنوی شخصیت ایک چٹان کے مانند کھڑی ہوگی:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ!

اِس کے بعد آیت ۲۴ میں فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝﴾

''جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں' اور جس نے رُخ پھیر لیا تو بے شک اللہ کسی کا محتاج نہیں اور بذاتِ خود محمود ہے۔''

﴿اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ (جو بخل کرتے ہیں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمانی حقائق سے دور اور محروم ہیں۔ وہ دُنیوی زندگی کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہیں' یہاں کے برے حالات کا شدید تأثر لیتے ہیں اور یہاں کی نعمتوں کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتے ہیں۔ سورۃ الھمزۃ میں اِس طرح کے کردار کو یوں بیان کیا گیا:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝﴾ (الھمزۃ)

''خرابی ہے ہر طعنہ دینے اور چغلی کھانے والے کے لیے' جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے (اور) خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔''

سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ میں ہم سمجھ چکے ہیں کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا انسان کے دل کو ایمان کے نور سے منور کرتا ہے۔ اِس کے برعکس مال روک روک کر رکھنا انسان کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ منافقین خود تو نیک کاموں سے محروم ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو بھی نیک کاموں سے منع کرتے ہیں۔ اِسی لیے اس آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا: ﴿وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ (اور وہ لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں)۔ جو لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں اُنہیں آگے بڑھنے والے کبھی اچھے نہیں لگتے۔ اُن کے آگے بڑھ جانے سے پیچھے رہ جانے والوں کی کمزوری زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ دوسرے ساتھیوں کو بھی دین کے لیے قربانی دینے سے روکتے ہیں تاکہ وہ بھی اِن ہی کی طرح ہو جائیں۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ دین کی راہ پر آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اُس میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ ابھرتا ہے تو منافقین بظاہر بڑے خیر خواہ بن کر ہمدردی کے انداز میں کہتے ہیں' میاں ہوش کے ناخن لو' کہاں جا رہے ہو' کیا کر رہے ہو' کچھ مستقبل کی فکر کرو' کچھ آئندہ کے لیے بچت کے بارے میں سوچو' بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں تم پر' بچے ابھی چھوٹے ہیں' کل بڑے ہوں گے' اِن کی ذمہ داریاں تم نے ادا کرنی ہیں' زیادہ جذباتی نہ بنو' کچھ اپنے خیر و شر اور نفع و نقصان کا خیال کرو!

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (اور جس نے رُخ پھیر لیا تو بے شک اللہ کسی کا محتاج نہیں اور بذاتِ خود محمود ہے)۔ یہ اللہ کی طرف سے بڑا دوٹوک انداز ہے۔ اتنی واضح آیات سامنے آنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص دنیوی زندگی اور اِسی کی نعمتوں کو اہمیت دے رہا ہے تو وہ کان کھول کر سن لے کہ اللہ کو کسی کی نیکی' ایثار' قربانی اور انفاق کی کوئی احتیاج نہیں۔ اللہ کا کوئی کام تمہارے جہاد یا انفاق نہ کرنے سے رکا ہوا نہیں۔ حدیثِ قدسی ہے:

((يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا۔ يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ شَيْئًا۔ يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهٗ مَا

نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِی اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ)) (٢٤)

''اے میرے بندو! اس میں شک نہیں کہ اگر تم سب اولین و آخرین، جن و انس، اپنے میں سے سب سے زیادہ متقی آدمی کے موافق اپنے دل بنالو تو (تم سب کا) یہ تقویٰ میری خدائی میں ذرا اضافہ نہ کر سکے گا۔ اے میرے بندو! اگر تم سب اولین و آخرین، جن و انس، اپنے میں سے سب سے زیادہ گناہ گار آدمی کے دل کے موافق اپنا دل بنالو تو (اُن کا) یہ گناہ گار ہونا میری خدائی میں سے ذرا بھی کمی نہیں کر سکتا۔ اے میرے بندو! اگر تم اولین و آخرین، جن و انس سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کرو اور میں ہر شخص کا سوال پورا کر دوں تو (سب کا سوال پورا کرنے پر) میرے خزانوں میں صرف اتنی سی کمی آئے گی جتنا کہ سوئی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالا جائے۔''

بلا شبہ انسان اللہ کا ہر گھڑی محتاج ہے۔ یہ اُس کی ضرورت ہے کہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے اللہ کی راہ میں مال اور جان لگائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

حواشی

١) سنن الترمذی، ابواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللهﷺ۔
٢) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق۔
٣) صحيح البخاری، كتاب المرضیٰ۔
٤) سنن الترمذی، كتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
٥) سنن الترمذی، كتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
٦) صحيح البخاری، كتاب الرقاق۔
٧) صحيح البخاری، كتاب المرضیٰ۔ وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب۔
٨) مسند احمد وابوداؤد، كتاب الجنائز۔
٩) صحيح البخاری، كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان۔
١٠) صحيح مسلم، كتاب الجنائز۔
١١) صحيح مسلم، كتاب الايمان۔
١٢) صحيح البخاری، كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان۔
١٣) صحيح البخاری، كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز۔ (باقی صفحہ 43 پر)

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان
نظر ثانی: حافظ محمد زبیر

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۸۶

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾﴾

ج و ب

جَابَ (ن) جَوْبًا: (۱) کوئی فاصلہ طے کرنا۔ (۲) کسی چیز کو کاٹنا یا تراشنا (کاٹنے والا کاٹتے یا تراشتے ہوئے ایک فاصلہ طے کرتا ہے)۔ ﴿وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾﴾ (الفجر) ''اور ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا؟) جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں۔''

جَوَابٌ (اسم ذات): کسی بات کا جواب (کہنے والے کی بات جتنا فاصلہ طے کر کے آتی ہے، جواب دینے والے کی بات وہی فاصلہ طے کرتی ہے)۔ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ﴾ (الاعراف:۸۲) ''اور نہیں تھا ان کی قوم کا جواب مگر یہ کہ تم لوگ نکالو ان کو۔''

اَجَابَ (افعال) اِجَابَةً: (۱) بات کا جواب دینا۔ (۲) کسی کی بات یعنی حکم کو ماننا۔

(۳) کسی کی بات یعنی درخواست کو قبول کرنا۔ ﴿مَا ذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص) ''کیا جواب دیا تم لوگوں نے رسولوں کو؟'' ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (النمل:٦٢) ''یا کون بات قبول کرتا ہے لاچار کی جب بھی وہ پکارے اس کو؟''

اَجِبْ (فعل امر) : تو کہنا مان' تو قبول کر۔ ﴿يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ﴾ (الاحقاف:٣١) ''اے ہماری قوم! تم لوگ کہنا مانو اللہ کی دعوت دینے والے کا۔''

مُجِيْبٌ (اسم الفاعل) : ماننے والا' قبول کرنے والا۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ﴾ (هود) ''یقیناً میرا ربّ قریب ہے' قبول کرنے والا ہے۔''

اِسْتَجَابَ (استفعال) اِسْتِجَابَةً : یہ مادہ باب استفعال اور باب افعال میں ہم معنی ہے' اس فرق کے ساتھ کہ باب استفعال میں جواب دینے' بات ماننے اور قبول کرنے کو ضروری سمجھنے کا مفہوم ہے۔ ترجمے میں یہ فرق واضح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ (آل عمران:١٩٥) ''پس قبول کی ان کی بات ان کے ربّ نے۔''

اِسْتَجِبْ (فعل امر) : تو ضرور کہنا مان' تو ضرور قبول کر۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ (الانفال:٢٤) ''اے لوگو جو ایمان لائے! تم لوگ ضرور حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا۔''

رش د

رَشِدَ (ن۔س) رَشْدًا : صحیح یعنی نیک راہ پر چلنا' ہدایت یافتہ ہونا' ہدایت پانا' آیت زیر مطالعہ۔

رَاشِدٌ (اسم الفاعل) : ہدایت پانے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (الحجرات) ''وہ لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

رَشِيْدٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : ہدایت یافتہ' نیک چلن۔ ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴾ (هود) ''کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے؟''

رَشَادٌ (اسم ذات) : نیکی' بھلائی' ہدایت۔ ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ (المؤمن) ''اور میں ہدایت نہیں دیتا تم لوگوں کو مگر نیکی کے راستے کی۔''

رَشَدٌ : بھلی راہ' نیک راہ۔ ﴿اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (الجن) ''یا ارادہ کیا ان کے لیے ان کے ربّ نے نیک راہ کا۔''

رُشْدٌ : (۱) نیک راہ' ہدایت۔ (۲) سوجھ بوجھ' معاملہ فہمی (جو ہدایت کا باعث ہے)۔

﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (البقرۃ:٢٥٦) ''واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔''
﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ (النساء:٦) ''پھر اگر تم لوگ پاؤ اُن میں کوئی سمجھ بوجھ۔''
اَرْشَدَ (افعال) اِرْشَادًا: صحیح راہ بتانا' ہدایت دینا۔
مُرْشِدٌ (اسم الفاعل): سیدھی راہ بتانے والا' ہدایت دینے والا۔ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ (الکھف) ''پھر تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا رفیق۔''

ترکیب : ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''سَاَلَ'' سے ''عَنِّیْ'' تک شرط ہے' جبکہ ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' جوابِ شرط ہے۔ ''سَاَلَ'' کا فاعل ''عِبَادِیْ'' ہے اور ''كَ'' اس کی ضمیر مفعولی ہے اور ''عَنِّیْ'' متعلق فعل ہے۔ ''فَاِنِّیْ'' میں ''ی'' ضمیر مبتدا ہے جسے اب ''اِنَّ'' کا اسم کہیں گے۔ ''قَرِیْبٌ'' اس کی خبر اوّل ہے' اور ''اُجِیْبُ'' سے ''دَعَانِ'' تک جملہ شرطیہ ہے جس میں شرط مؤخر اور جوابِ شرط مقدم ہے۔ ''دَعْوَةَ الدَّاعِ'' مرکب اضافی ہے اور ''اُجِیْبُ'' کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے۔ ''اَلدَّاعِ'' پر لام جنس ہے۔ ''دَعَانِ'' میں ''نِ'' دراصل ''نِیْ'' ہے جو ''دَعَا'' کی ضمیر مفعولی ہے۔ ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا'' اور ''وَلْيُؤْمِنُوْا'' فعل امر غائب ہیں۔ ان کے فاعل ''هُمْ'' کی ضمیریں ہیں جو ''عِبَادِیْ'' کے لیے ہیں۔

ترجمہ:

وَاِذَا : اور جب بھی	سَاَلَكَ : پوچھیں آپؐ سے
عِبَادِیْ : میرے بندے	عَنِّیْ : میرے بارے میں
فَاِنِّیْ : تو یقیناً میں تو	قَرِیْبٌ : قریب ہوں
اُجِیْبُ : میں قبول کرتا ہوں	دَعْوَةَ الدَّاعِ : ہر پکارنے والے کی پکار کو
اِذَا : جب بھی	دَعَانِ : وہ پکارے مجھ کو
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا : پس چاہیے کہ وہ لوگ حکم مانیں	لِیْ : میرا
وَلْيُؤْمِنُوْا : اور چاہیے کہ وہ لوگ ایمان لائیں	بِیْ : مجھ پر
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ : شاید کہ وہ لوگ ہدایت پائیں	

نوٹ (١) : فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کی مزید وضاحت کے لیے سورۃ المجادلۃ کی آیت ٧ کا پورا

مفہوم ذہن میں رکھیں' جس میں بتایا گیا ہے کہ جہاں کہیں تین اشخاص باتیں کرتے ہیں' وہاں چوتھا اللہ ہوتا ہے۔

اب ذرا سوچیں کہ اپنے ڈرائنگ روم میں سیاست پر گفتگو کے دوران جب ہم شخصیات کو زیر بحث لاتے ہیں' اس وقت یا تو ہم غیبت کرتے ہیں یا بہتان لگاتے ہیں۔ کیونکہ لگایا جانے والا الزام اگر درست ہے تو غیبت ہے اور اگر غلط ہے تو بہتان ہے۔ یہ کام کرتے ہوئے اگر ہمیں احساس ہو جائے کہ ڈرائنگ روم میں ہم نشینوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ہے جو ہمیں دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے تو یقیناً ہمارا رویہ تبدیل ہو گا۔ اسی طرح ٹی وی لاؤنج' دفتر اور دکان وغیرہ میں اس احساس کو جگا کر تجربہ کر لیں اور پھر متعلقہ آیات کا مفہوم ذہن میں دہراتے رہیں تو اِن شاء اللہ رمضان کا فیض جاری رہے گا' خواہ نفلی روزے رکھیں یا نہ رکھیں۔

نوٹ (۲): اس آیت میں دوسری اہم بات یہ اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے عابد' زاہد' فاسق اور فاجر وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ دوسری طرف ہمارا یعنی عام مسلمانوں کا تجربہ یہ ہے کہ ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتیں' اس لیے ہم ایسے پہنچے ہوئے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جن کی دعا یا سفارش قبول ہو جائے۔ اس بظاہر تضاد کی وجہ یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کا مفہوم ہمارے ذہن میں محدود ہے' جبکہ قرآن وحدیث میں اسے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں کسی بھی دعا کے قبول ہونے کی صورتیں یہ ہیں: (۱) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کے علم میں اگر وہ ہمارے لیے مفید ہے اور فوری طور پر ملنے میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے' تو اللہ تعالیٰ وہ چیز ہمیں اُسی وقت دے دیتا ہے۔ (۲) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید تو ہے' لیکن اس کا فوری طور پر ملنا ہمارے لیے مفید نہیں ہے' تو ایسی صورت میں دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہمیں اُس وقت دی جائے جب اس کا ملنا ہمارے لیے مفید ہو۔ (۳) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید نہیں ہے' تو ایسی صورت میں دعا کی قبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز ہم کو نہ دی جائے اور اس کے بدلے کوئی مفید چیز دی جائے' یا کوئی اور تکلیف یا پریشانی دور کر دی جائے' یا کسی آنے والی پریشانی کو روک دیا جائے۔ (۴) دعا کی قبولیت کی ایک آخری شکل یہ بھی ہے کہ بندے کی دعا مذکورہ بالا کسی بھی طریقے سے اس دنیا میں قبول نہ کی جائے' بلکہ اس کا ثواب آخرت کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت میں ایسا ثواب

جب بندے کے سامنے لایا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا کہ تو نے میری باقی دعائیں دنیا میں کیوں قبول کر لیں؟

دعا کی قبولیت کا مفہوم اگر سمجھ میں آ گیا ہے تو اب یقین کر لیں کہ اللہ ہر بندے کی سنتا ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ بندہ اسے پکارے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا دل سے نکلے اور ذہن اس پر مرتکز ہو۔ اگر دعا کے رٹے رٹائے الفاظ زبان ادا کر رہی ہو اور دل و دماغ کو لمبس بنے پھر رہے ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو پکارا ہی نہیں۔

آیت ۱۸۷

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾

ر ف ث

رَفِثَ (س) رَفَثًا : کوئی فحش بات کرنا۔ پھر کنایۃً مباشرت کے لیے بھی آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَفَثٌ (اسم ذات): فحش کلام۔ ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۹۷) ''تو نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے حج میں۔''

خ و ن

خَانَ (ن) خَوْنًا : ڈول کی رسی کے ایک ایک بل کا ٹوٹ جانا' عہد شکنی کرنا' خیانت کرنا۔ ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ (الانفال:۷۱) ''وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے۔''

خِيَانَةٌ (اسم ذات) : عہد شکنی' خیانت۔ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ (الانفال:۵۸) ''اور اگر تمہیں خوف ہو کسی قوم سے کسی عہد شکنی کا۔''

خَائِنٌ (اسم الفاعل): وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (الانفال) ''یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

خَوَّانٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ): بار بار وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ (الحج) ''بے شک اللہ محبت نہیں کرتا کسی بھی بار بار وعدہ خلافی کرنے والے سے انتہائی ناشکری کرنے والے سے۔''

خ ی ط

خَاطَ (ض) خَيْطًا: کپڑا سینا۔

خَيْطٌ (اسم ذات): دھاگہ ڈوری۔ آیت زیر مطالعہ۔

خِيَاطٌ (اسم ذات): سوئی۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الاعراف: ٤٠) ''یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں۔''

ب ی ض

بَاضَ (ض) بَيْضًا: پرندے کا انڈا دینا۔ کسی چیز پر سفیدی کا غالب ہونا۔

بَيْضٌ (اسم جنس): انڈا۔ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ (الصّٰفّٰت) ''جیسے کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔''

اَبْيَضُ مؤنث بَيْضَاءُ ج بِيْضٌ (اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت): سفید رنگ والا یعنی سفید۔ ﴿وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ (الاعراف) ''اور انہوں نے نکالا اپنا ہاتھ تو جب ہی (یعنی اُسی وقت) وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے۔'' ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ﴾ (فاطر: ٢٧) ''اور پہاڑوں میں سفید گھاٹیاں ہیں۔''

اِبْيَضَّ (اِفْعِلَالٌ) اِبْيِضَاضٌ: سفید ہو جانا۔ ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ (یوسف: ٨٤) ''اور سفید ہو گئیں انؑ کی دونوں آنکھیں غم سے۔''

س و د

سَادَ (ن) سِيَادَةً وَسُؤْدًا: بزرگ ہونا' کسی گروہ یا قوم کا سردار ہونا۔

سَوِدَ (س) سَوَدًا: سیاہ ہونا' کالا ہونا۔

سَيِّدٌ ج سَادَةٌ: سردار' آقا۔ ﴿وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ﴾ (یوسف: ٢٥) ''اور وہ دونوں ملے عورت کے آقا (یعنی شوہر) سے دروازے کے پاس۔'' ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ (الاحزاب) ''اے ہمارے ربّ! بے شک ہم نے

اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے بھٹکایا ہم کو سیدھے راستے سے۔''

اَسْوَدُ ج سُوْدٌ (افعل الوان وعیوب کے وزن پر صفت): کالے رنگ والا یعنی کالا۔ ﴿وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ (فاطر) ''اور کچھ انتہائی سیاہ ہیں۔''

اِسْوَدَّ (اِفْعِلَالٌ) اِسْوِدَادًا: کالا ہو جانا۔ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ (آل عمران:۱۰۶) ''جس دن سفید ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ پڑ جائیں گے کچھ چہرے۔''

مُسْوَدٌّ (اسم الفاعل): سیاہ پڑنے والا' کالا ہونے والا۔ ﴿الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ (الزمر:۶۰) ''جن لوگوں نے جھوٹ کہا اللہ پر اُن کے چہرے سیاہ پڑنے والے ہیں۔''

ح د د

حَدَّ (ن) حَدًّا: کسی چیز کا آخری کنارہ یا انتہا مقرر کرنا۔ جیسے کسی پلاٹ کے کناروں' یعنی حدوں کا تعین کرنا۔

حَدَّ (ض) حِدَّةً: (۱) غضب ناک ہونا' سخت ہونا۔ (۲) کسی چیز کا تیز ہونا جیسے چھری کا تیز ہونا۔

حَدٌّ ج حُدُوْدٌ (اسم ذات): کنارہ' انتہا' حد۔ ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۱۱۲) ''اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی۔'' (اللہ کی حدود کا مطلب ہے اس کی دی ہوئی اجازت کی انتہا' جس کے آگے اس کی نافرمانی شروع ہوتی ہے)۔

حَدِيْدٌ (فَعِيْلٌ کا وزن): (۱) لوہا۔ (۲) تیز۔ ﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ (الکہف:۹۶) ''تم لوگ لاؤ میرے پاس لوہے کے تختے۔'' ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق) ''پس تیری بصارت آج تیز ہے۔''

حَادَّ (مفاعلہ) حِدَادًا: ایک دوسرے پر تیز ہونا' باہم مخالفت کرنا' طعنہ دینا۔ ﴿سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ (الاحزاب:۱۹) ''وہ لوگ چڑھائی کریں گے تم لوگوں پر طعنہ دینے والی زبانوں سے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ﴾ (المجادلۃ) ''بیشک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی' وہ لوگ انتہائی ذلیلوں میں ہیں۔''

ترکیب: ''اُحِلَّ'' ماضی مجہول ہے اور ''اَلرَّفَثُ'' اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ

سے مرفوع ہے' جبکہ ''لَیْلَةَ'' ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ ''ھُنَّ'' اور ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہیں اور ''لِبَاسٌ'' خبر ہے۔ ''کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ'' ماضی استمراری ہے لیکن یہ ''اَنَّکُمْ'' کی خبر ہے' اس لیے ترجمہ حال میں ہوگا۔ ''فَتَابَ عَلَیْکُمْ'' یہاں پر اپنے لغوی مفہوم میں ہے۔ ''بَاشِرُوْا'' فعل امر ہے' اس کا فاعل اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''ھُنَّ'' اس کا مفعول ہے۔ ''وَابْتَغُوْا'' کا مفعول ''مَا'' ہے۔ ''حَتّٰی'' کی وجہ سے ''یَتَبَیَّنَ'' منصوب ہے اور ''اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ'' اس کا فاعل ہے۔ ''اَتِمُّوْا'' کا فاعل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''اَلصِّیَامَ'' اس کا مفعول ہے۔ ''اِلَی الَّیْلِ'' دو لام یعنی ''اللَّیْلِ'' کے بجائے ایک لام سے لکھا گیا ہے' یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ ''وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ'' کا واؤ حالیہ ہے۔ ''یُبَیِّنُ'' کا فاعل ''اَللّٰہُ'' ہے اور ''اٰیٰتِہٖ'' اس کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف ''اٰیٰتِ'' منصوب ہے۔

ترجمہ:

اُحِلَّ : حلال کیا گیا	لَکُمْ : تم لوگوں کے لیے
لَیْلَةَ الصِّیَامِ : روزہ رکھنے کی رات میں	الرَّفَثُ : مباشرت کو
اِلٰی نِسَآءِ کُمْ : تمہاری عورتوں کی طرف	ھُنَّ : وہ
لِبَاسٌ : لباس ہیں	لَّکُمْ : تم لوگوں کے لیے
وَاَنْتُمْ : اور تم لوگ	لِبَاسٌ : لباس ہو
لَّھُنَّ : ان کے لیے	عَلِمَ : جانا
اللّٰہُ : اللہ نے	اَنَّکُمْ : کہ تم لوگ
کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ : خیانت کرتے رہتے ہو	اَنْفُسَکُمْ : اپنے آپ سے
فَتَابَ : تو اُس نے شفقت کی	عَلَیْکُمْ : تم لوگوں پر
وَعَفَا : اور اس نے درگزر کیا	عَنْکُمْ : تم سے
فَالْئٰنَ : تو اب	بَاشِرُوْ : تم لوگ مباشرت کرو
ھُنَّ : ان سے	وَابْتَغُوْا : اور تم لوگ تلاش کرو
مَا : اس کو جو	کَتَبَ اللّٰہُ : اللہ نے لکھا
لَکُمْ : تمہارے لیے	وَکُلُوْا : اور تم لوگ کھاؤ
وَاشْرَبُوْا : اور پیو	حَتّٰی : یہاں تک کہ

يَتَبَيَّنَ :واضح ہو جائے
الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ :سفید دھاگہ
مِنَ الْفَجْرِ :فجر میں
الصِّيَامَ :روزہ رکھنے کو
وَلَا تُبَاشِرُوْ :اور تم لوگ مباشرت مت کرو
وَ :اس حال میں کہ
عٰكِفُوْنَ :اعتکاف کرنے والے ہو
تِلْكَ :یہ
فَلَا تَقْرَبُوْ :تو تم لوگ قریب مت ہو
كَذٰلِكَ :اس طرح
اٰيٰتِهٖ :اپنی نشانیوں کو
لَعَلَّهُمْ :شاید کہ وہ لوگ

لَكُمُ :تمہارے لیے
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ :کالے دھاگے سے
ثُمَّ اَتِمُّوا :پھر تم لوگ پورا کرو
اِلَى الَّيْلِ :رات تک
هُنَّ :ان سے
اَنْتُمْ :تم لوگ
فِي الْمَسٰجِدِ :مسجدوں میں
حُدُوْدُ اللّٰهِ :اللہ کی حدود ہیں
هَا :ان کے
يُبَيِّنُ اللّٰهُ :اللہ واضح کرتا ہے
لِلنَّاسِ :لوگوں کے لیے
يَتَّقُوْنَ :تقویٰ اختیار کریں

نوٹ (۱) : مادہ ''ب ی ض'' اور ''س و د'' کی لغت میں ثلاثی مزید فیہ کے باب اِفْعِلَالٌ کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس باب کا استعمال نسبتاً کم ہوا ہے اس لیے ''آسان عربی گرامر'' نامی کتابچہ میں یہ نہیں پڑھایا گیا۔ اس کے ماضی' مضارع اور مصدر کا وزن یہ ہے: اِفْعَلَّ' يَفْعَلُّ' اِفْعِلَالًا۔ اس کی ابتداء میں ہمزۃ الوصل ہے۔ یہ باب زیادہ تر ''اِفْعَلَّ'' کے وزن پر آنے والے اَلوان وعیوب کے لیے آتا ہے' اور اس میں مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ صفت میں تبدیل ہو جانا یا اس صفت کا حامل ہو جانا۔

نوٹ (۲) : اگر اپنے آپ سے خیانت کرنے پر صحابہ کرام ؓ توبہ کرتے اور وعدہ کرتے کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے' تو ہم کہتے کہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اصطلاحی مفہوم میں ہے اور اس کے مطابق ترجمہ کرتے۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس بات کو جانا اور اپنے حکم میں خود ہی نرمی کر دی۔ اس لیے اس آیت میں فَتَابَ عَلَيْكُمْ اپنے لغوی مفہوم میں ہے' اور ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔

نوٹ (۳) : ابتدا میں روزوں میں سو جانے کے بعد کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت تھی۔ یہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے صحابہ کرام ؓ اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ اس آیت میں پہلے اس حکم کو حکمِ الٰہی قرار دیا گیا' پھر آسانی کے لیے اس کو

منسوخ کیا گیا (معارف القرآن)۔ اس طرح یہ بھی قرآن مجید کے ان مقامات میں سے ایک ہے جس سے وحی غیر متلو کا ثبوت ملتا ہے۔

آیت ۱۸۸

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

د ل و

دَلَا (ن) دَلْوًا : (۱) کنوئیں میں ڈول ڈال کر کھینچنا۔ (۲) بہلا پھسلا کر کام نکالنا۔

دَلْوٌ (اسم ذات) : ڈول۔ ﴿فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ﴾ (یوسف:۱۹) ''تو اس نے کنوئیں میں لٹکایا اپنا ڈول۔''

اَدْلٰى (افعال) اِدْلَاءً : کنویں میں کوئی چیز لٹکانا۔ اوپر دیکھیں (یوسف:۱۹)

دَلّٰى (تفعیل) تَدْلِيَةً : بہلا پھسلا کر گمراہ کرنا' نرمی سے پھسلا دینا۔ ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾ (الاعراف:۲۲) ''تو اس نے پھسلا دیا ان دونوں کو دھوکے سے۔''

تَدَلّٰى (تفعّل) تَدَلِّيًا : لٹکنا' اُترنا۔ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ (النجم) ''پھر وہ نزدیک ہوا' پھر وہ اُترا۔''

ترکیب : ''لَا تَاْكُلُوْا'' فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''اَمْوَالَكُمْ'' مفعول ہے' جبکہ ''بَيْنَكُمْ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''لَا تَاْكُلُوْا'' کے لائے نہی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے ''تُدْلُوْا'' کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس طرح یہ بھی فعل نہی ہے۔ ''بِهَا'' میں ''هَا'' کی ضمیر ''اَمْوَالَكُمْ'' کے لیے ہے۔ ''لِتَاْكُلُوْا'' کا فاعل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے۔ ''فَرِيْقًا'' اس کا مفعول ہے اور یہاں اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ ''وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' کا واؤ حالیہ ہے۔

ترجمہ:

وَلَا تَاْكُلُوْا : اور تم لوگ مت کھاؤ	اَمْوَالَكُمْ : اپنے مال
بَيْنَكُمْ : آپس میں	بِالْبَاطِلِ : ناحق
وَتُدْلُوْا : اور تم لوگ مت لٹکاؤ	بِهَا : ان کو
اِلَى الْحُكَّامِ : حاکموں کی طرف	لِتَاْكُلُوْا : تاکہ تم لوگ کھاؤ

فَرِيْقًا : کوئی ٹکڑا
بِالْاِثْمِ : گناہ سے
اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ : تم لوگ جانتے ہو
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ : لوگوں کے مال سے
وَ : اس حال میں کہ

نوٹ (۱) : اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے، تو محض کسی قانونی نقص کی وجہ سے اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ اگر عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا تو اس دنیا میں تم اس کے قانونی مالک ہو گئے، لیکن اللہ کے نزدیک وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔ (تفہیم القرآن)

بقیہ: حیاتِ دنیوی کے حوادث اور مؤمنانہ طرزِ عمل

۱۴) سنن ابی داوٗد، کتاب الجنائز۔
۱۵) صحیح البخاری، کتاب الجنائز۔ وصحیح مسلم، کتاب الجنائز۔
۱۶) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق۔ وصحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار۔
۱۷) سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
۱۸) سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
۱۹) مسند احمد۔ وسنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللهﷺ۔
۲۰) صحیح مسلم، کتاب القدر۔
۲۱) رواه البخاری فی الجنائز وفی المرضیٰ وفی القدر وفی التوحید۔ ورواه المسلم فی الجنائز۔
۲۲) ایضاً۔
۲۳) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، وصحیح مسلم، کتاب الفضائل۔
۲۴) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب۔

حکیمانہ نصائح

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ! قَالَ: ((اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ : ((عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَکَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَکَ فِی الْاَرْضِ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ: ((عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مِطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ: ((اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضَّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ : ((قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ: ((لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ :((لِیَحْجُزْکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ))

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذرؓ نے' یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے)۔ اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے وصیت فرمایئے! آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کی' کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کر دینے والا اور سنوار دینے والا ہے تمہارے سارے کاموں کو۔'' ابوذرؓ

کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! اور وصیت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو' کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمہارے ذکر کا' اور اس زمین میں نور ہوگا تمہارے لیے''۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا: حضرتؐ! مجھے کچھ اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو' کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے''۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''زیادہ ہنسا چھوڑ دو' کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے' اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہمیشہ حق اور سچی بات کہو' اگرچہ (لوگوں کے لیے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو''۔ میں نے عرض کیا: مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرو''۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو' چاہیے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے''۔

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نصیحت طلب کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہلی نصیحت یہ کی کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ دین اسلام کی معروف اصطلاح ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ تقویٰ کا لغوی مفہوم ''بچنا'' ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی ''پرہیزگاری'' کیا جاتا ہے۔ متقی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ سے انسان کا ظاہر اور باطن آراستہ ہو جاتا ہے۔ اسوۂ حسنہ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کا مظہر ہے۔ یوں اسوۂ حسنہ کی پیروی انسان کو متقی بنا دیتی ہے۔ متقی شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ہرگز نہیں ٹالتا اور نہ ہی نواہی کے قریب پھٹکتا ہے۔ تقویٰ انسان کے تمام کاموں کو سنوارنے والا اور اس کے باطن کو روشن کرنے والا عمل ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے تلاوتِ قرآن مجید اور اللہ کے ذکر کی نصیحت فرمائی۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور نور ہے۔ یہ قلب و نظر کو روشن اور باطن کو منور کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ خود قرآن مجید کو 'الذکر' کہا گیا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ (الحجر) ''بیشک ہم نے ہی

الذکر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کے فضائل بے شمار ہیں۔ ایک حدیث نبویؐ میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اِس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی مطلب ہے نبی اکرم ﷺ کی اس نصیحت کا کہ اس کے بدلے میں تمہارا ذکر آسمان میں ہوگا اور زمین میں یہ تمہارے لیے نور ہوگا۔ اللہ کا ذکر نوری مخلوق کا ہمہ وقتی وظیفہ ہے۔ سبحان اللہ' الحمد للہ' لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر ذکر کے معروف کلمات ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مزید دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اکثر خاموش رہنے کی نصیحت کی اور فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دُور ہوسکتا ہے اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انسان کے اکثر گناہ زبان سے ہی سرزد ہوتے ہیں۔ اگر وہ زبان کے استعمال میں احتیاط کرلے تو غیبت' جھوٹ' بدزبانی اور تمسخر جیسی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ میں فرمایا گیا ہے کہ آدمیوں کو اُن کی زبانوں کی کھیتیاں ہی مُنہ کے بل جہنم میں گرائیں گی۔ زیادہ خاموش رہنے والا اور کم بولنے والا شیطان کے بہت سے حملوں سے محفوظ رہ جاتا ہے۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو' یعنی فضول گوئی سے بچ کر رہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ)) (۱)

''جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔''

ضروری دُنیوی باتوں کے علاوہ زبان کا بہترین استعمال اللہ کا ذکر ہے جس کی فضیلت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ انسان مفید کام کو چھوڑ کر فضول کام کرے؟ زبان کے استعمال کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس میں جتنی بھی ہو سکے احتیاط کرنی چاہیے' کیونکہ زبان سے اچھا برا جو بھی لفظ نکلتا ہے کراماً کاتبین اُسے ریکارڈ کرتے جا رہے ہیں۔ اس طرح سے ہمارا نامۂ اعمال تیار ہو رہا ہے' اگر اچھا ہوگا تو قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اگر برا ہوگا تو بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا۔ پھر اسی کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مزید پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زیادہ ہنسنے سے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب اکرام الضیف و خدمته ایاه بنفسه۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الحث علی اکرام الجار.....الخ۔

بچو' کیونکہ اس سے دل مردہ اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے''۔ خوشی اور غمی دنیا کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں' لہٰذا جس طرح صدمے کی صورت میں جزع فزع کرنے اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں' اسی طرح خوشی کے موقع پر بھی آپے سے باہر ہونا پسندیدہ نہیں۔ کھل کھلا کر ہنسنا غفلت کی علامت ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے' یعنی احساسِ زیاں جاتا رہتا ہے۔ اس کے اثرات چہرے کی رونق ختم کر دیتے ہیں۔ موت کی گھڑی کا کوئی پتا نہیں۔ جس شخص کو اپنی موت یاد ہو اور پھر اسے آخرت کے حساب و کتاب پر بھی یقین ہو تو وہ کیسے کھل کھلا کر ہنس سکتا ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تمہیں وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔'' دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوئے تو وہ اس قید خانے سے نکل کر جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہو گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت عاقبت کی نجات کے لیے فکر مند رہے اور غفلت کی ہنسی نہ ہنستا پھرے۔

حضرت ابوذرؓ نے مزید پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ سچی بات کہو اگرچہ کڑوی لگے۔ سچائی فضائلِ اعمال میں سے ہے' جبکہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔ سچائی اگر وقتی طور پر رنج اور تکلیف کا باعث بھی ہو تو اس کا نتیجہ بہرحال اچھا ہو گا۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں: ((اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکَذِبُ یُھْلِكُ)) ''سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔'' ہلاکت سے بچنا اور عافیت چاہنا ہر صاحب ایمان شخص کے لیے لازم ہے۔ حق بات کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ گواہی حقیقت کے مطابق ہو۔ ظاہر ہے گواہی جس کے خلاف جائے گی اس کو بات کڑوی لگے گی اور وہ ناراض ہو گا' مگر اُس کی ناراضی ملحوظ رکھتے ہوئے حق بات کو خلافِ واقعہ بیان کرنا بڑے گناہ کی بات ہے۔

جب حضرت ابوذرؓ نے مزید پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و حِکَم بیان کرنے پر اگر کسی جانب سے تضحیک آمیز اعتراضات آئیں تو معذرت خواہانہ انداز اختیار نہ کیا جائے' بلکہ صحیح بات ڈنکے کی چوٹ کہی جائے۔

حضرت ابوذرؓ کے پوچھنے پر جو آخری بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ دوسروں کے عیبوں پر نگاہ کرنے سے پہلے اپنی خامیوں کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ اس

حکیمانہ نصیحت پر عمل کرنے سے انسان دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے سوچے گا کہ جو خامیاں مجھے فلاں شخص میں نظر آ رہی ہیں وہ تو خود میرے اعمال و افعال میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اسے اپنی اصلاح کی فکر ہو جائے گی۔ اس طرح دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو بندہ دوسروں پر تنقید سے باز رہے گا اور دوسرے اپنی خامیاں دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسروں پر تنقید میں وہی شخص بے باک ہو سکتا ہے جسے اپنی فکر نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک کے بعد دوسری نصیحت کی فرمائش کیے جا رہے ہیں۔ یہ انداز اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیر تک ہم کلام رہنے کی کوشش کر رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ ہدایاتِ نبویؐ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کس قدر والہانہ محبت اور قلبی عقیدت تھی۔

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیئے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب:

مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

﴿اہم موضوعات﴾

- ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
- ایمان کا موضوع
- قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث
- ایمان و عمل کا باہمی تعلق
- ایمان اور نفاق
- ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 120 روپے اشاعت عام: 60 روپے

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۴)

تحریر: حافظ محمد زبیر

اب تک ہم نے قرآنی آیات کی روشنی میں چہرے کے پردے کے بارے میں شارع سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم اُن احادیث مبارکہ کو بیان کریں گے جو چہرے کے پردے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اُن احادیث کا بھی صحیح معنی و مفہوم متعین کیا جائے گا جن کو منکرینِ حجاب اپنے حق میں بطورِ دلیل بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی احادیث ہیں جو کہ پہلے بھی اس سلسلۂ مضامین میں بیان ہو چکی ہیں اور بعض ایسی روایات ہیں جو ابھی تک بیان نہیں ہوئیں۔ ہم نے ان سب روایات کو جمع کر دیا ہے۔ ان روایات کو قرآنی آیات کی روشنی میں سمجھیں تو مسئلہ کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔

قرآن کی کسی آیت کی صحیح تفسیر اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں رکھ کر سمجھیں۔ ان روایات میں بیان کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کی نازل شدہ آیات کا کیا مفہوم سمجھا تھا۔ یہ روایات دراصل قرآنی آیات کی تفسیر و تبیین ہیں جس کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر ڈالی گئی تھی۔ اور دوسری طرف یہ احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فہم کو بھی متعین کر رہی ہیں جو انہیں یہ آیات سننے کے بعد حاصل ہوا۔ گویا کہ یہ روایات ایک طرف اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال و افعال کے حوالے سے تفسیرِ رسولؐ کی طرف رہنمائی فرما رہی ہیں اور دوسری طرف صحابیات رضی اللہ عنہن کے فرمودات و طرزِ عمل کے ذریعے تفسیر صحابی بھی بیان ہو رہی ہے۔ ان روایات پر حکم لگاتے وقت بخاری و مسلم کی احادیث پر حکم نہیں لگایا گیا' کیونکہ ان دونوں کتابوں کی بیان کردہ احادیث کی صحت پر محدثین

کا اجماع ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث سے لی گئی روایت کا حکم بھی مختصراً ساتھ ہی بیان کر دیا گیا ہے۔

چہرے کا پردہ صحیح وحسن احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

درج ذیل احادیث چہرے کے پردے پر صراحتاً یا اشارتاً دلالت کرتی ہیں:

۱) عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ یَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبًا بِهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰی وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ (۱۰۲)

''اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوتی تھیں' پس جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے جلباب اپنے سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب وہ قافلے آگے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کو کھول دیتی تھیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث میں صرف اپنا طرزِ عمل بیان نہیں کیا' بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفرِ حج کے دوران جتنی بھی خواتین ہوتی تھیں ان سب کے بارے میں بتلایا ہے کہ قافلوں کے قریب سے گزرنے پر وہ اپنے چہرے اپنی چادروں سے ڈھانپ لیتی تھیں۔ یہ حدیث عام ہے اور اس کی عمومیت کی تائید اگلی روایت سے بھی ہو رہی ہے۔

۲) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ: كُنَّا نُغَطِّیْ وُجُوْهَنَا مِنَ الرِّجَالِ وَكُنَّا نَمْتَشِطُ قَبْلَ ذٰلِكَ فِی الْاِحْرَامِ (۱۰۳)

''حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ ''ہم مَردوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں اور ہم حالت احرام میں کنگھی بھی کر لیا کرتی تھیں۔''

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں اور جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں۔ حضرت اسماءؓ کا یہ بیان اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حجاب کا حکم ازواجِ مطہرات کے لیے خاص نہ تھا۔

۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''قصة الافك'' والی روایت میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان فرماتی ہیں کہ:

وَكَانَ رَآنِیْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَیْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِیْنَ عَرَفَنِیْ

فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ (۱۰۴)

''اورانہوں نے مجھے حجاب (کے حکم کے نزول) سے پہلے دیکھا تھا' ان کے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' کہنے کی وجہ سے میں بیدار ہوگئی' جبکہ انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا' پس میں نے اپنا چہرہ اپنے جلباب سے ڈھانپ لیا''۔

یہ حدیث بھی عام ہے اور اس کی عمومیت کے دلائل ہم قسط اول میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔اس حدیث کو ''آیۃ الجلباب''یعنی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ کی روشنی میں سمجھا جائے تو حکم کی عمومیت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔

٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ : كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ (۱۰۵)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ مسلمان عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز میں شریک ہوتیں اس حال میں کہ انہوں نے اپنے جسم کو چادروں میں لپیٹا ہوتا' پھر وہ نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس چلی جاتیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کو کوئی پہچان بھی نہ پاتا تھا۔''

اس حدیث میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب مسلمان عورتیں کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلتی تھیں تو اپنے سارے بدن کو ایک بڑی چادر میں لپیٹ لیتی تھیں۔

''لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ'' (اندھیرے کی وجہ سے ان کو کوئی پہچان نہ پاتا تھا) سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

قال الداودی :معناه لا یعرفن أ نساء ام رجال أی لا یظهر للرائی اِلا الاشباح خاصة (۱۰۶)

''داودی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ عورتیں ہیں یا مرد ہیں' یعنی دیکھنے والے کے لیے وہ صرف سائے یا ہیولے ہوتے تھے''۔

امام نوویؒ نے بھی اسی معنیٰ کو ترجیح دی ہے۔آپؒ فرماتے ہیں:

(ما یعرفن من الغلس) هو بقایا ظلام اللیل' قال الداودی معناه ما یعرفن أ نساء هن أم رجال ' وقیل ما یعرف اعیانهن وهذا ضعیف لأن

المتلفعة فی النهار ایضاً لا یعرف عینها فلا یبقی فی الکلام فائدة(۱۰۷)

''الغلس سے مراد رات کی تاریکی کا باقی ہونا ہے۔ داودی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ عورتیں ہیں یا مرد ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی ذات معلوم نہ ہوتی تھی اور یہ قول ضعیف ہے' کیونکہ دن میں بھی جس عورت نے اپنے آپ کو چادر میں چھپا کر رکھا ہو اُس کی ذات معلوم نہیں ہوتی تو کلام کا فائدہ باقی نہیں رہتا (یعنی حدیث میں جو کلام ہے)۔''

۵) عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ : یَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْاُوَلَ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ﴾ شَقَّقْنَ مُرُوْطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا (۱۰۸)

''اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی مہاجر عورتوں پر رحم کرے! جب یہ آیت ﴿وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ﴾ نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اُن کے دوپٹے بنا کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا''۔(۱۰۹)

ابن حجرؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

فاختمرن ای غطین وجوههن یعنی حضرت عائشہؓ کے قول ''فَاخْتَمَرْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔

٦) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ اَفْلَحَ اَخَا اَبِی الْعُقَیْسِ جَاءَ یَسْتَاْذِنُ عَلَیْهَا وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ بَعْدَ اَنْ نَزَلَ الْحِجَابُ فَاَبَیْتُ اَنْ آذَنَ لَهٗ فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ صَنَعْتُ فَاَمَرَنِیْ اَنْ آذَنَ لَهٗ (۱۱۰)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے رضاعی چچا اَفلح کے بارے میں بیان کرتی ہیں جو کہ ابوعُقیس کے بھائی تھے' کہ انہوں نے مجھ سے حجاب کی آیات نازل ہونے کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تو میں نے انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میں نے آپؐ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں افلح کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دوں۔''

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی تشریح میں بیان کرتے ہیں:

وفیه وجوب احتجاب المرأة من الرجال الاجانب

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا اجنبی مَردوں سے پردہ کرنا واجب ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پہلے یہی خیال تھا کہ اپنے رضاعی چچا سے بھی پردہ ہے' اس لیے انہوں نے اپنے رضاعی چچا کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر کہ رضاعی چچا سے عورت کا پردہ نہیں ہے' آپؓ نے اپنے چچا کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَمَّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ يُسَمّٰى اَفْلَحَ اسْتَاْذَنَ عَلَيْهَا فَحَجَبَتْهُ فَاَخْبَرَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا : ((لَا تَحْتَجِبِيْ مِنْهُ)) (۱۱۱)

''حضرت عُروہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے خبر دی کہ ان کے رضاعی چچا افلح نے ان کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: ''اس سے پردہ نہ کرو''۔

۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ : فَكَيْفَ يَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذُيُوْلِهِنَّ؟ قَالَ : ((يُرْخِيْنَ شِبْرًا)) فَقَالَتْ : اِذًا تَنْكَشِفُ اَقْدَامُهُنَّ قَالَ : ((فَيُرْخِيْنَهُ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ)) (۱۱۲)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی اپنے کپڑے کو تکبر کے باعث لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ کرم نہ کرے گا'' تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: عورتیں اپنے پلو کا کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اسے ایک بالشت لٹکا لیں''۔ اس پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: تب تو اُن کے پاؤں ننگے رہ جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو وہ ایک ہاتھ لٹکا لیں' لیکن اس سے زیادہ نہ لٹکائیں۔''

یہ حدیث واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ عورت کے لیے اپنے قدم یعنی پاؤں کا ڈھانپنا واجب ہے۔ تو جب پاؤں کا ڈھانپنا واجب ہے تو چہرے کا ڈھانپنا بالاولیٰ واجب ہے' کیونکہ چہرے کو کھلا رکھنے میں پاؤں کی نسبت زیادہ فتنے کا اندیشہ ہے۔

۸) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :((اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَاَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: ((اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ)) (۱۱۳)

''حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں پر داخل ہونے سے بچو (یعنی مَردوں کا عورتوں کی محفلوں میں جانا ممنوع ہے)'' تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا شوہر کے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''شوہر کے قریبی رشتہ دار تو موت ہیں۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مَردوں کو عورتوں سے معاملہ کرتے وقت اُن کے سامنے آنے سے منع فرمایا۔ یعنی اگر کوئی معاملہ کرنا ہے تو آیت قرآنی ﴿فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ کے مصداق پردے کے پیچھے سے ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اختلاطِ مَردوزن کی ممانعت کی بھی واضح دلیل ہے۔

ماہنامہ ''اشراق'' کے مضمون نگار پروفیسر خورشید عالم صاحب چہرے کے پردے کے تو خلاف ہیں ہی' اس پر مستزاد یہ کہ مردوزن کے اختلاط کے بھی قائل ہیں۔ اپنے مضمون میں ایک جگہ فرماتے ہیں: ''غربت کی ماری عورت کو گھر سے باہر نکل کر تلاشِ معاش میں سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔ شہروں میں وہ گھروں میں جھاڑو پوچا لگاتی ہے' سڑک پر روڑی کوٹتی ہے' سر پر اینٹیں رکھ کر تعمیر کے کام میں حصہ لیتی ہے' بھٹوں پر اینٹیں تیار کرتی ہے' دیہات میں وہ مَردوں کے شانہ بشانہ ابتدائے آفرینش سے کام کر رہی ہے اور کام کرتی رہے گی''۔

ہمیں تعجب ہے پروفیسر موصوف پر کہ مردوزن کے اختلاط کو ثابت کرنے کے لیے وہ عورتوں پر ہونے والے ظلم کو کس دیدہ دلیری سے سند جواز عطا فرما رہے ہیں! ہمارا اُن سے سوال ہے کہ اگر ایسا ہو رہا ہے تو کیا یہ سب کچھ صحیح ہو رہا ہے؟ یا کیا ایسا ہونا چاہیے؟ کیا اسلام عورتوں کو معاش کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے؟ کیا عورت کی اصل ذمہ داری اپنے گھر کو سنبھالنا اور اپنے بچوں کی تربیت کرنا ہے یا سڑکوں' گلی کوچوں' دوسروں کے گھروں میں جا جا کر صفائی کرنا' بھٹوں پر اینٹیں تیار کرنا' سڑکوں پر روڑی کوٹنا ہے؟ کیا عورتوں سے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے نازک آبگینوں سے تشبیہ دی ہے' ایسے کام لینا اُن پر ظلم نہیں ہے؟ اگر یہ سب کچھ ظلم ہے' اور یقیناً ایسا ہی ہے' تو پروفیسر صاحب کو تو چاہیے تھا کہ اِس ظلم کے خلاف قلم

اُٹھاتے نہ کہ اس ظلم کو بنیاد بنا کر مرد وزن کے اختلاط کو ثابت کرنے لگ جاتے۔ حجاب کے منکرین اور اس کا اثبات کرنے والوں کے درمیان یہی فرق ہے۔ علماء اور مذہبی رہنما حجاب کا اثبات اس لیے کرتے ہیں تا کہ عورت کو عزت ملے اور وہ گھر کی مالکن بن کر گھر میں رہے۔ گھر کے باہر کی ساری ذمہ داریاں مرد کے اوپر ہیں۔ مرد ہی اصل میں اپنی بیوی اور بچوں کے نان نفقے کا ذمہ دار ہے' اسی وجہ سے تو مرد کو قرآن میں قوّام کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (النساء:٣٤)

''مَرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر (یعنی مَردوں کو عورتوں پر) فضیلت دی ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں''۔

دوسری طرف منکرینِ حجاب کا طرزِ عمل دیکھیں۔ وہ عورتوں کو گھر کی مالکن کے بجائے دوسروں کے گھروں کی خادمہ بنانا چاہتے ہیں' تا کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کی بجائے دوسروں کے بچوں کو سنبھالے اور اپنے شوہر کی خدمت کی بجائے اجنبی مَردوں کی خدمت کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ مَردوں نے ہمیشہ عورت کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے تختۂ مشق بنایا ہے۔ اہل مغرب جو عورتوں کے حقوق کے دعوے دار ہیں' عورت کا سب سے زیادہ استحصال وہی کرتے ہیں۔ اپنی جنسی خواہشات ذہوس کی تکمیل کے لیے مغرب کے مرد نے حقوقِ نسواں کی تحریکوں کے ذریعے عورتوں کو گھروں سے باہر نکالا اور مساواتِ مرد وزن کے نعرے لگا کر اپنی معاشی ذمہ داریوں سے جان چھڑائی اور عورتوں کے گھر سے باہر نکل کر کام کاج کرنے کو آزادیٔ نسواں کا نام دیا۔ اسلام تو ہمیں یہ درس سکھلاتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ اس کے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے چہ جائیکہ مرد گھر اور بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی ذمہ داریاں بھی عورت کے کندھوں پر ڈال دے۔

اضطراری کیفیت میں عورت کا گھر سے باہر نکل کر کام کرنا ایک علیحدہ مسئلہ ہے' لیکن جو کچھ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے اس کو سند جواز عطا کرنا ظلم وزیادتی ہے۔

٩) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ)) (١١٤)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت تو

چھپانے کی چیز ہے۔ جب یہ (گھر سے) باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔''

اس حدیث میں عورت کو ''عورۃ'' کہا گیا ہے' یعنی چھپانے کی شے۔ اس سے مراد ہے کہ عورت کا سارا جسم ''عورۃ'' ہے جس کو چھپانا چاہیے۔

۱۰) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا)) (۱۱۵)

''کوئی عورت کسی دوسری عورت سے اس طرح نہ ملے کہ پھر جا کر اپنے شوہر کے سامنے اس کے حسن و جمال کو اس طرح بیان کرے گویا کہ اس کا شوہر اس اجنبی عورت کو دیکھ رہا ہو۔''

اس حدیث کے الفاظ ((كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا)) اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں حجاب کرتی تھیں۔ کیونکہ اگر عورتوں میں حجاب کی پابندی نہ ہوتی تو مَردوں کو اِس بات کی ضرورت باقی نہ رہتی کہ ان کی بیویاں ان کے سامنے اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کو بیان کریں' بلکہ مرد بذاتِ خود عورتوں کو دیکھنے کی قدرت رکھتے۔

۱۱) حضرت مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ لَهُ امْرَأَةً أَخْطُبُهَا فَقَالَ: ((اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا)) فَأَتَيْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَخَطَبْتُهَا إِلَى أَبَوَيْهَا وَأَخْبَرْتُهُمَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَأَنَّهُمَا كَرِهَا ذٰلِكَ، قَالَ فَسَمِعَتْ ذٰلِكَ الْمَرْأَةُ وَهِيَ فِي خِدْرِهَا فَقَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَكَ أَنْ تَنْظُرَ فَانْظُرْ وَإِلَّا فَأَنْشُدُكَ كَأَنَّهَا أَعْظَمَتْ ذٰلِكَ قَالَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا)) (۱۱۶)

''میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپؐ کے سامنے ایک عورت کا تذکرہ کیا جس سے میں نکاح کرنا چاہتا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ''جا کر پہلے اس کو ایک نظر دیکھ لو' یہ بات تمہارے مابین محبت کا باعث ہوگی''۔ میں انصار کی ایک عورت کے پاس آیا تو میں نے اس کے والدین سے نکاح کی بات کی اور انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے بارے میں بتایا۔ والدین نے لڑکی کے دیکھنے کو ناپسند کیا۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے میری بات سن لی اور وہ پردے میں کھڑی تھی۔ اس لڑکی نے کہا کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم دیکھ لو' تو

دیکھ لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ گویا اس عورت نے اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کو بڑا جانا۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو دیکھا اور پھر بعد میں اس سے نکاح کر لیا۔''

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حجاب کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک مرد ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجتا تھا تو اس کے باوجود بھی دیکھ نہ سکتا تھا۔

۱۲) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ)) (۱۱۷)

''اور حالتِ احرام میں کوئی عورت نقاب نہ اوڑھے اور نہ ہی دستانے پہنے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهذا مما يدل على ان النقاب والقفازين كانا معروفين فى النساء اللاتى لم يحرمن وذلك يقتضى ستر وجوههن وايديهن (۱۱۸)

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نقاب اور دستانے پہننا ان عورتوں میں معروف تھا جو کہ حالتِ احرام میں نہ ہوتی تھیں' اور یہ فعل اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو ڈھانپیں''۔

حالتِ احرام میں عورتوں کے لیے اپنے چہرے کو کھلا رکھنا مشروع ہے' جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں نقاب اور دستانے پہننے سے منع فرمایا۔ گویا کہ جب عورتیں حالت احرام میں نہ ہوں تو اُس وقت وہ نقاب اور دستانے پہنیں گی۔

۱۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَقْفَلَهُ مِنْ عُسْفَانَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَاحِلَتِهِ وَقَدْ اَرْدَفَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَعَثَرَتْ نَاقَتُهُ فَصُرِعَا جَمِيْعًا فَاقْتَحَمَ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ قَالَ: ((عَلَيْكَ الْمَرْأَةَ)) فَقَلَبَ ثَوْبًا عَلٰى وَجْهِهٖ وَاَتَاهَا فَاَلْقَاهُ عَلَيْهَا وَاَصْلَحَ لَهُمَا مَرْكَبَهُمَا فَرَكِبَا وَاكْتَنَفْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ: ((آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) فَلَمْ يَزَلْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ (۱۱۹)

''حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ہم عسفان سے واپسی کے وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور آپؐ کے پیچھے حضرت صفیہ ؓ تھیں۔ اچانک اونٹنی نے ٹھوکر کھائی اور اللہ کے رسول ﷺ حضرت صفیہؓ سمیت نیچے گر گئے۔ حضرت ابوطلحہؓ فوراً آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ مجھے آپؐ پر فدا کرے! آپؐ نے فرمایا: ''عورت کی خبر لو''۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کپڑا اپنے منہ پر ڈالا اور حضرت صفیہؓ کے پاس آئے' پھر اپنا کپڑا اُن پر ڈال دیا اور آپؐ اور حضرت صفیہؓ کی سواری کو درست کیا تو آپ دونوں سوار ہو گئے۔ اس کے بعد ہم آپؐ کے آس پاس رہے' جب ہم مدینہ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: ((آیِبُوْنَ' تَائِبُوْنَ' عَابِدُوْنَ' لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) اور مدینہ میں داخل ہونے کے وقت تک آپؐ برابر یہی دعا پڑھتے رہے۔''

ایک اور روایت میں الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صفیہ کو جب اپنے ساتھ سوار کیا تھا تو ان کے چہرے پر ایک چادر ڈال دی تھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَسَتَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحَمَلَهَا وَرَاءَهُ وَجَعَلَ رِدَاءَهُ عَلٰى ظَهْرِهَا وَوَجْهِهَا (۱۲۰)

''اور اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو ڈھانپا اور انہیں اپنے پیچھے (اونٹ پر) سوار کیا اور اپنی چادر حضرت صفیہ کی کمر اور چہرے پر ڈال دی''۔

۱۴) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنْ كَانَ لِاِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ فَكَانَ عِنْدَهٗ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ))(۱۲۱)

''جب تم (عورتوں) میں سے کسی کے پاس کوئی مکاتب (ایسا غلام جس سے اس کے مالک نے مکاتبت کر لی ہو کہ اگر اتنی رقم تم ادا کرو گے تو آزاد ہو جاؤ گے) ہو اور اس غلام کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ اسے مکاتبت کی صورت میں ادا کر سکے تو اس عورت کو چاہیے کہ اپنے غلام سے پردہ کرے''۔

اس حدیث میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کسی عورت کے لیے اپنے غلام کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے' لیکن یہ رخصت اُس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اس کی ملکیت میں رہے۔ جب وہ غلام اپنی مالکن سے مکاتبت کر کے آزادی حاصل کرے گا تو اب وہ گویا اس خاتون کے لیے اجنبی مرد بن گیا ہے اور اس سے پردہ کرنا ضروری ہے۔(۱۲۲)

اس حدیث کی شرح میں امیر صنعانی رقم طراز ہیں:

وهو دليل على مسئلتين :الاولى ان المكاتب اذا صار معه جميع مال المكاتبة فقد صار له ما للاحرار فتحتجب منه سيدته اذا كان مملوكا لامرأة ..... المسئلة الثانية دل بمفهومه على انه يجوز لمملوك المرأة النظر اليها ما لم يكاتبها ويجد مال الكتابة وهو الذى دل له منطوق قوله تعالى:﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ فى سورة النور وسورة الاحزاب(۱۲۳)

''یہ حدیث دو مسئلوں کی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب مکاتب غلام کے پاس مکاتبت کا سارا مال اکٹھا ہو جائے تو وہ آزاد کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کی مالکہ اس سے پردہ کرے گی' اگر وہ کسی عورت کا غلام تھا..... دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی غلام کے لیے اپنی مالکن کی طرف دیکھنا جائز ہے جب تک وہ اس سے مکاتبت کر کے مالِ کتابت حاصل نہ کر لے۔ اور اسی مسئلہ پر سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کی یہ آیت بھی دلالت کر رہی ہے ''اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ''۔ (یعنی کسی عورت کا اپنے غلام سے پردہ نہیں ہے' لیکن اگر وہ غلام آزاد ہو جائے گا تو پھر پردہ ہوگا جیسا کہ حدیث بیان کر رہی ہے)

۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن حضرت صفیہؓ کے ساتھ قیام فرمایا تو مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ساتھ نکاح کیا ہے یا ان کو لونڈی بنا کر رکھا ہے' تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے:

اِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ لَّمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِيْنُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَ لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ (۱۲۴)

''اگر آپؐ نے ان سے پردہ کروایا تو وہ اُمہات المؤمنین میں سے ہوں گی اور اگر آپؐ نے ان سے پردہ نہ کروایا تو وہ آپؐ کی لونڈی ہوں گی۔ پس جب آپؐ نے وہاں سے کوچ کیا تو حضرت صفیہؓ کو پیچھے بٹھالیا اور پردہ کھینچ دیا۔''

یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے زمانے میں حرائر (آزاد عورتوں) کے لیے پردہ تھا' جبکہ لونڈیوں کے لیے پردہ نہ تھا۔

۱۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ طائف کے موقع پر رسول

اللہ ﷺ نے مدینہ اور مکہ کے درمیان مقام جعرانہ پر پڑاؤ ڈالا اور آپؐ کے ساتھ حضرت بلال ؓ بھی تھے۔ آپؐ نے ایک پیالے میں پانی منگوا کر اس سے دونوں ہاتھ اور منہ دھوئے اور اس میں کلی بھی کی۔ پھر آپؐ نے ہم دونوں سے کہا کہ اس پانی کو پی لو اپنے منہ اور سینے پر ڈالو اور خوشخبری حاصل کرو تو ہم نے ایسے ہی کیا۔

فَنَادَتْ اُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَّرَاءِ السِّتْرِ اَنْ اَفْضِلَا لِاُمِّكُمَا فَاَفْضَلَا لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً(۱۲۵)

''تو حضرت اُمّ سلمہ نے پردے کے پیچھے سے کہا کہ اپنی ماں کے لیے بھی کچھ پانی چھوڑ دینا تو انہوں نے اس میں سے کچھ پانی ان کے لیے چھوڑ دیا''۔

۱۷) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ : خَطَبْتُ امْرَأَةً فَجَعَلْتُ اَتَخَبَّأُ لَهَا حَتّٰى نَظَرْتُ اِلَيْهَا فِيْ نَخْلٍ لَهَا فَقِيْلَ لَهٗ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((اِذَا اَلْقَى اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ امْرِئٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا)) (۱۲۶)

''حضرت محمد بن مسلمہ ؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا اور میں اس کو چوری چھپے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا' حتیٰ کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی تو میں نے (موقع پا کر) اس کو دیکھ لیا تو مجھ سے لوگوں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے ''جب کسی مرد کا کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ کے یہ الفاظ کہ ''فَلَا بَأْسَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا'' اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر کسی عورت سے نکاح کی خواہش ہو تو اس کو دیکھنے کی رخصت ہے' اس کے علاوہ نہیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کا تکلف کر کے اس عورت کو دیکھنے کی کوشش کرنا اور اس کے باجود نہ دیکھ پانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عورتیں اس زمانے میں حجاب کرتی تھیں۔ اسی طرح اگر وہ عورت بھی حجاب نہ کرتی ہوتی تو حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو چوری چھپے تکلف کر کے اس خاتون کو دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

۱۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : اَوْ مَتِ امْرَأَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَضَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهٗ فَقَالَ : ((مَا اَدْرِيْ اَيَدُ

رَجُلٍ اَمْ يَدُ امْرَأَةٍ)) قَالَتْ : بَلِ امْرَأَةٌ قَالَ :((لَوْ كُنْتِ امْرَأَةً لَغَيَّرْتِ اَظْفَارَكِ يَعْنِيْ بِالْحِنَّاءِ)) (۱۲۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ایک خط رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپؐ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہاتھ ہے'' تو اس عورت نے کہا کہ میں عورت ہوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اگر تو عورت ہے تو اپنے ناخنوں کو مہندی لگا (تاکہ مرد اور عورت میں فرق ہو سکے)۔''

اس حدیث میں عورت کا پردے کے پیچھے سے آپؐ کو خط دینا یہ واضح کر رہا ہے کہ عورتیں آپؐ کے زمانے میں جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو پردے میں ہوتی تھیں۔

حواشی

۱۰۲) سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب فی المحرمة تغطی وجهها۔ یہ روایت حسن ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ (حجاب المرأة المسلمة، علامه البانی، ص ۵۸)

۱۰۳) المستدرك علی الصحیحین، امام حاکم، جلد۱، ص ۴۵۴۔ یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (حجاب المرأة المسلمة، علامه البانی، ص ۵۰)

۱۰۴) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب لو لا اذ سمعتموه..... الخ۔

۱۰۵) صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب وقت الفجر۔

۱۰۶) فتح الباری، جلد۲، ص ۵۵، المکتبة السلفیة۔

۱۰۷) شرح نووی، لصحیح مسلم، جلد۵، ص ۱۴۴، ۱۴۵، دارالفکر بیروت۔

۱۰۸) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن۔

۱۰۹) فتح الباری، ج۸، ص ۴۹۰، المکتبة السلفیة۔

۱۱۰) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لبن الفحل۔

۱۱۱) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل۔

۱۱۲) سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی جرذیول النساء۔ یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے عورتوں کے پاؤں کو ستر قرار دیا ہے۔ (حجاب، علامہ البانی، ص ۳۶)

۱۱۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة الاذو محرم والدخول علی۔

۱۱۴) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات و رواه ابن حبان فی صحیحه والطبرانی فی الکبیر۔ (امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور

علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

۱۱۵) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها۔

۱۱۶) سنن ابن ماجه' کتاب النکاح' باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها۔ یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح تر قرار دیا ہے۔

۱۱۷) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب ما ینهی من الطیب للمحرم والمحرمة۔

۱۱۸) مجموعة رسائل فی الحجاب والسفور' جماعة من العلماء' ص ۸۰' ادارة البحوث العلمیة والافتاء' ریاض۔

۱۱۹) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب ما یقول اذا رجع من الغزو۔

۱۲۰) اخرجه ابن سعد بحواله حجاب المرأة المسلمة' علامه البانی' ص ۴۹'۵۰۔

۱۲۱) سنن ابی داؤد' کتاب العتق' باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابته فیعجز او یموت۔

۱۲۲) یہ روایت صحیح ہے' لیکن علامہ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے' کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی نبہان مجہول العین ہے۔ ہم آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

۱۲۳) سبل السلام' جلد ۴' ص ۱۴۶' امیر صنعانی۔

۱۲۴) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوة خیبر۔

۱۲۵) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوة طائف فی شوال سنة ثمان۔

۱۲۶) سنن ابن ماجه' کتاب النکاح' باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها ۔ یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۲۷) سنن ابی داؤد' کتاب الترجل' باب فی الخضاب للنساء۔ یہ روایت حسن ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص :30 روپے اشاعت عام:15 روپے

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : تکمیلِ دُعا

مصنف : اشفاق الرحمٰن خان شیروانی

ضخامت : 112 صفحات ۔ قیمت:45روپے

ملنے کا پتہ:51/2ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور فون:5884917

اشفاق الرحمٰن خان عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ مریض اور کمزور ہونے کے باوجود جواں ہمت ہیں۔ ان کا دل نصح و خیر خواہی کے جذبات سے مملو ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اُن کی پسندیدہ مصروفیت ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

دعا عبدیت کا جوہر اور عبادت کا مغز ہے۔ اللہ سے دعا کرنا عبادت اور اللہ کا حق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے اپنے بندوں کو کچھ دعائیں سکھائی ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو روحانی دولتوں کے جو خزانے عطا فرمائے ہیں اُن میں بیش قیمت خزانہ وہ دعائیں ہیں جو آپؐ نے مختلف اوقات میں خود اللہ تعالیٰ سے کیں یا اُمت کو ان کی تلقین فرمائی۔ تکمیلِ دُعا میں مصنف نے قرآن و حدیث سے روزمرہ کے مختلف اوقات کی مناسبت سے دعائیں منتخب کر کے درج کر دی ہیں۔ دعاؤں کے عربی الفاظ کے ساتھ ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا دعا کے مطلب اور مفہوم سے بھی واقف ہو۔ تمام دعائیں قرآن مجید اور مستند کتب احادیث سے لی گئی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں آدابِ دعا اور دعا کے فضائل بھی درج ہیں۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے لیے مفید مطلب ہے۔ خاص طور پر یہ دعائیں بچوں اور بچیوں کو زبانی یاد کرا دینی چاہئیں تاکہ ساری عمر وہ انہیں پڑھتے رہیں اور یہ بات اُن کے لیے کارِ ثواب اور والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔

(۲)

نام کتاب : آفتابِ نبوتؐ کی ضیاء پاشیاں

مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 218 صفحات ۔ قیمت: 120 روپے

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد

مولانا عبدالقیوم حقانی معروف عالم دین، اور صاحب طرز ادیب ہیں۔ آپ درجنوں کتب کے مصنف ہیں۔ ان کی کتابوں میں شرح شمائل ترمذی خصوصی اہمیت کی حامل ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ مصنف نے شائقین کی سہولت کی خاطر اُس کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ مستقل عنوانات کے تحت شائع کر دیا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں، اور ''آفتابِ نبوتؐ کی ضیاء پاشیاں'' بھی اس کا ایک حصہ ہے۔

زیرتبصرہ کتاب چودہ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں شمائل ترمذی کی ساٹھ احادیث کی عالمانہ اور محققانہ تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے زیر استعمال چیزوں مثلاً موزے، جوتے، انگوٹھی، تلوار، زرہ، خود، عمامہ، دستار، تکیہ وغیرہ کی کیفیت واضح کی گئی ہے۔ احادیث کی تشریح وتوضیح میں حبِ رسولؐ کا جذبہ اور عقیدت واحترام کا عنصر نمایاں ہے۔ کتاب طلبہ اور اساتذہ کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے''

(رواہ البخاری، عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

شعبہ مطبوعات قرآن اکیڈمی کی تازہ ترین پیشکش

تعارفِ قرآن

مع

عظمتِ قرآن

تالیف:

ڈاکٹر اسرار احمد

اہم موضوعات

قرآن کے بارے میں ہمارا عقیدہ ◈ قرآن مجید کی زبان ◈ قرآن کے اسماء وصفات ◈ قرآن کا اسلوبِ کلام ◈ قرآن مجید کی ترکیب وتقسیم ◈ تدوینِ قرآن ◈ قرآن کا موضوع ◈ فہم قرآن کے اصول ◈ اعجازِ قرآن کے اہم اور بنیادی وجوہ ◈ قرآن مجید سے ہمارا تعلق ◈ عظمتِ قرآن: قرآن وحدیث کے آئینے میں

◈ سفید کاغذ ◈ عمدہ طباعت ◈ دیدہ زیب ٹائٹل

◈ صفحات : 176 ◈ قیمت : 90 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501